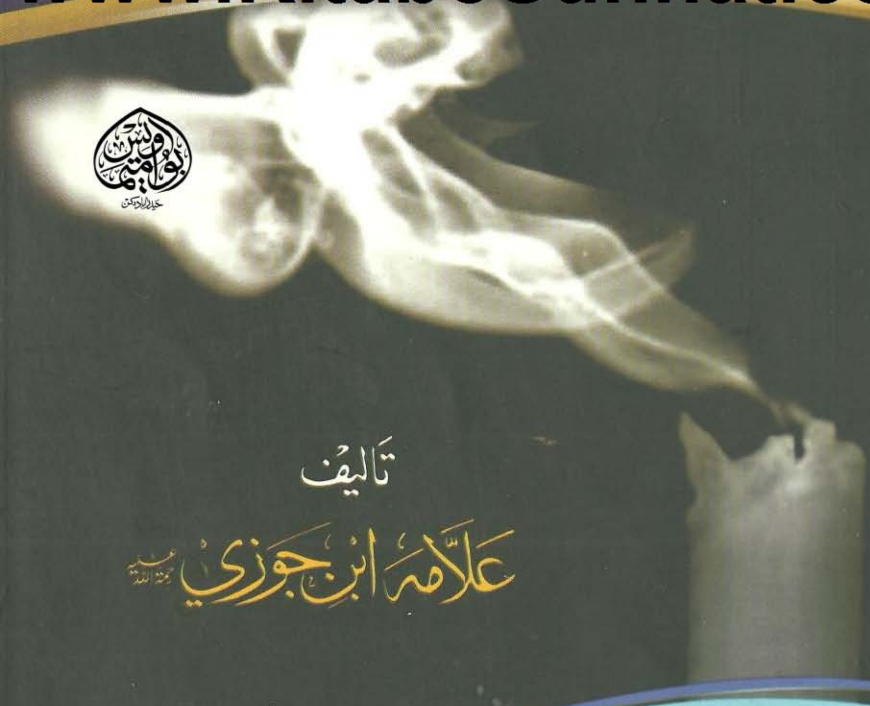
إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ....

موت کے وقت

جان نکلتے وقت شیطان لعین کے حملے سے بچ کر ثابت قدم رہتے ہوئے ایمان بچانے والے خوش قسمت انسانوں کا تذکرہ



تالیف

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

دار العلم ممبئی

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ
ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ
الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا
وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ
الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

موت کے وقت

ABU UMAIMAH OWAIS

سلسلہ مطبوعات دارالعلم نمبر 187

نام کتاب : موت کے وقت

تالیف : علامہ ابن جوزی

مترجم : ابوحمزہ پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی

ناشر : دارالعلم، ممبئی

طابع : محمد اکرم مختار

تعداد اشاعت : ایک ہزار

تاریخ اشاعت : ۲۰۱۴ء

دارالعلم ممبئی

DARUL ILM

PUBLISHERS & DISTRIBUTORS

242, J.B.B. Marg, (Belasis Road),
Nagpada, Mumbai-8 (INDIA)
Tel. (+91-22) 2308 8989, 2308 2231
Fax : (+91-22) 2302 0482
E-mail : ilmpublication@yahoo.co.in

موت کے وقت

جان نکلتے وقت شیطان لعین کے حملے سے بچ کر ثابت قدم
رہتے ہوئے ایمان بچانے والے خوش قسمت انسانوں کا تذکرہ

تالیف
علامہ ابن جوزی

مترجم
ابوحمزہ پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی

دار العلم ممبئی

بسم الله الرحمن الرحيم

ABU UMAIMAH OWAIS

آئینہ

موت کے وقت ثابت قدم رہنے والے

صبر کے فضائل

صبر کرنے والوں کے واقعات

ہم مصائب کی موجوں کا سامنا کیسے کریں؟

موت کے وقت بے مثال و قابلِ رشک استقامت

آخری لمحات میں بے مثال ثابت قدمی کے دلکش مناظر

کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی استقامت و ثابت قدمی

❀❀❀

حرفِ تمنا

شیطان کے حملہ کے وقت ثابت قدمی اور بچاؤ

اس مادی دنیا کے بکھیڑوں میں کسی بھی مسئلہ میں ثابت قدمی کسی قسمت والے کے نصیب میں ہی آتی ہے۔ ورنہ غیر یقینی مدنی' معاشی اور معاشرتی صورت حال میں عام طور پر لوگ حالات واحوال کے ساتھ ہی لٹو کی طرح گھومتے رہتے ہیں۔ مادی چکروں اور تھپیڑوں کا شکار انسان صبح کچھ مؤقف رکھتا ہے جبکہ شام کو کچھ اور' جہاں اسے مفاد نظر آتا ہے وہی اس کا عقیدہ ونظریہ بن جاتا ہے۔ بہترین اور قابل اعتبار، قابل اعتماد، قابل بھروسہ اور مثالی وہ فرد ہوتا ہے جو ہر حال میں اپنی بات پر مضبوط وقائم رہے خواہ اسے نفع نظر آرہا ہو یا نقصان۔ دنیا میں عام طور پر لوگ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر اپنے مذہب' مؤقف اور مسلک سے پھرتے اور ڈگمگاتے ہوئے نظر آتے ہیں:

① جب انہیں کسی بھی قسم کا لالچ دیا جائے۔
② جب ان پر کسی بھی طرف سے دباؤ اور پریشر ہو۔
③ جب عہدہ، جاہ ومنصب، رتبہ، عزت و وقار اور رعب ودبدبے کے چھن جانے کا ڈر ہو۔
④ طاقت کے نشے اور گھمنڈ میں جبکہ وہ اولاد، بیٹوں کی شکل میں ہو یا ماتحتوں کی صورت میں، یا اپنے قوت بازو، طاقت اور جوانی کا نشہ سر پر سوار ہو۔
⑤ یا وہ عورت کے فتنے کا شکار ہو جائے۔
⑥ مال و دولت کی کشش میں گرفتار ہو کر ڈول جائے۔ یہ خواہ سونا، چاندی، نقدی، بینک بیلنس، زمین جائیداد، کار کوٹھی بنگلہ کی شکل میں ہو۔

⑦ جان کے چلے جانے کا خوف، کہ اگر ایسا نہ کیا تو کوئی جان سے مار ڈالے گا۔

ہمیں اس عارضی دنیا میں رہتے ہوئے ان چیزوں سے پالا پڑتا ہے جو انسان کو ثابت قدمی کے زیور سے محروم و تہی دست کر چھوڑتی ہیں...... لیکن ہم یہاں جس ثابت قدمی پر بات کر رہے ہیں وہ انسان کی مرتے وقت عقیدہ توحید پر ثابت قدمی ہے۔ اس جان کنی کے موقع پر مذکورہ بالا عوامل اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ اس وقت مؤحد و مومن بندہ کے خلاف انسان کا ازلی دشمن شیطان، اسے راہ راست سے ہٹانے اسلام سے برگشتہ اور عقیدہ توحید سے اس کے دامن کو خالی کرنے کے لیے حملہ آور ہوتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب انسان نہایت شدید تکلف میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس تکلیف کو وہ نہ تو بیان کرسکتا ہے اور نہ ہی برداشت کرسکتا ہے۔ موت کے فرشتے جان نکالنے کے عمل میں مصروف ہوتے ہیں۔ آدمی پر اس وقت کچھ ایسی تکلیف وہ کیفیات طاری ہوتی ہیں کہ وہ ان کے دور کرنے اور اپنی جان کو پر سکون کرنے کے لیے دنیا کے تمام خزانے لٹانے کے لیے تیار ہوتا ہے مثلاً: موت کی مدہوشیوں اور غشیوں میں مرنے والے کو شدید پیاس لگتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اگر میرے سامنے نہر بہہ رہی ہو تو میں اس کا تمام پانی پی لوں اور اس جسم میں لگی ہوئی آگ کو بجھاؤں۔ لیکن اسے کہیں پانی نظر نہیں آتا۔ زباں سے وہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ایسے میں شیطان لعین ایک پانی کا پیالہ لے کر اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور اسے کہتا ہے: اس تکلیف دہ صورت حال سے نجات پانی ہے تو میں تجھے یہ ٹھنڈا پانی کا پیالہ پلا سکتا ہوں۔ لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے' وہ یہ کہ تم مجھے سجدہ کردو، میں اللہ کا نیک بندہ یا ولی ہوں۔ پھر وہ فوری یوں بھی بہکاتا ہے کہ ہاں ہاں! میں جانتا ہوں تم بیماری اور تکلیف کی شدت کی بنا پر حرکت بھی نہیں کر سکتے تو سجدہ کیسے کرو گے۔ میں تمہاری یہ مجبوری سمجھتا ہوں' تم بس اتنا کرو کہ اشارے سے ہی مجھے سجدہ کردو۔ جب مرنے والا ایسا کر گزرتا ہے تو یہ لعین غائب ہو جاتا ہے۔ اس کا مشن صرف اس مرنے والے کا ایمان برباد کرنا ہوتا ہے۔ موت کے وقت مومن کے پاس آ کر شیطان ایسے ہی یہ اور بہت سے فریبانہ انداز میں دھوکے دیتا ہے۔

ایسے موقع پر صرف وہ انسان اس کے وار سے بچتے ہیں جن پر اللہ کریم کی خاص

رحمت ہو۔ بلکہ وہ اللہ کی رحمت کی بنا پر شیطان لعین کو بزرگی کے مصنوعی لبادے میں بھی پہچان لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کر کے استغفار کرتے ہوئے اس کو بتا دیتے :

تو شیطان لعین ہے۔ مجھے اللہ کریم تیرے شر سے بچائے۔

یہ کتاب بھی امام ابن جوزیؒ نے ایسے ہی برگزیدہ افراد کے متعلق لکھی ہے کہ مرتے وقت شیطان کے حملے سے محفوظ رہ کر عقیدہ توحید پر ثابت قدم رہنا چاہتے ہیں۔

ان احوال کو ذکر کرنے اور ایسے مومن افراد کے واقعات کو جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس سے آگاہی حاصل کر کے اپنی موت کے لمحات کو کامیاب وکامران بنائیں کیونکہ یہ لمحات دوسری زندگی میں داخلہ کے لیے سنگ میل اور پہلی سیڑھی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میں انہوں نے مرتے وقت شیطان کے حملے سے بچ کر ثابت قدم رہنے کے لیے قرآن وحدیث کی روشنی میں مومن کا طریقہ کار راہنمائی فراہم کی ہے اور واضح کیا ہے کہ مومن نے سے اپنے آپ کو بچانا کیسے ہے اور تکلیف کے باوجود عقیدہ توحید اور دین اسلام پر ثابت قدم وکار بند رہنا کیسے ہے؟

اس کتاب کا رواں شستہ عام فہم اور دلچسپ ترجمہ محترم فضیلۃ الشیخ پروفیسر سعید مجتبےٰ سعیدی فاضل مدینہ یونیورسٹی نے نہایت کاوش سے کیا ہے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مسلمانوں کے لیے شیطان کے حملوں اور شرور سے بچنے کا باعث وراہنما بنائے اور اس طرح سے دعوت دین اور نیک اعمال کرنے والوں کے لیے ذریعہ نجات بنائے اور اسے اپنی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ عطا فرمائے۔ آمین

خادم کتاب وسنت

مقدمہ

شیطان حملہ کر دے تو کیا کریں؟

''یا اللہ!...... ہمیں مرتے وقت کلمۂ توحید اور دینِ حنیف پر استقامت کی توفیق عطا فرما''

یہ ایک ایسی تمنا ہے جس کی ہر دور کے اہلِ ایمان نے دعا اور خواہش کی' ایسا کیوں نہ ہو' جبکہ قرآن کریم کہتا ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ (ابراھیم: ۱۴/ ۲۷)

''اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو دنیا اور آخرت میں کلمۂ توحید پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کرتا ہے۔''

ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ جب کوئی آدمی دارالاعمال یعنی دنیا سے آخرت کے مقامِ شقاوت یا مقامِ سعادت کی طرف جا رہا ہوتا ہے تو یہ مرحلہ اس کے لیے انتہائی کٹھن ہوتا ہے' اس کے علاوہ یہ موقع اس کے اہل و عیال اور اعزہ و اقربا کے لیے بھی بڑا صبر آزما ہوتا ہے' جب موت ان کے درمیان جدائی ڈال رہی ہوتی ہے' یہ جدائی کس قدر ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

بالکل...... یہ وقت بڑی آزمائش اور ضعف کا ہوتا ہے' شیطان فرصت پا کر ایسے موقع پر بہت سے ایسے نئے لوگوں کو اپنی جماعت میں شامل کر لیتا ہے' جنھوں نے اس سے قبل اس کی کوئی بات مانی نہیں ہوتی اور انھیں بہکانے اور گمراہ کرنے کے لیے اس کی ساری

تدابیر اور حیلے ناکام ہو چکے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ پھر بھی مایوس نہیں ہوا ہوتا' بلکہ وہ نئے ولولے کے ساتھ آکر اپنی کوشش اور سعی میں تیزی لاتا ہے' کہ مریض بے صبر ہو کر مایوسی و ناامیدی میں چلا جاتا ہے اور اس کے اہل و عیال راہِ راست سے بھٹک کر اللہ کی ناراضی میں چلے جاتے ہیں' بہت سے لوگ درست راہ اور صبر سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ انھیں ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا اسوہ یاد نہیں رہتا' جب آپ کے جگر گوشہ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ نے زبان سے صرف اتنا فرمایا تھا:

((اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ، وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ وَلاَ نَقُوْلُ اِلاَّ مَا یُرْضِی اللّٰہَ))

''آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمگین ہے' اس حال میں بھی ہم اللہ سے صرف وہی بات کہیں گے جو اللہ کو راضی اور خوش رکھے۔''

ہم اس کتاب میں دیکھیں گے کہ امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے کس طرح شیطان کے ہتھکنڈوں اور اس کے ہوش ربا حیلوں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے اور اہلِ ایمان خواتین و حضرات کی راہنمائی کی ہے' کہ ایسے مواقع پر انھیں کیا کرنا چاہیے؟ انھیں زبان سے کیا کہنا اور کون سے الفاظ دہرانے چاہئیں' اور انھیں موت کے وقت کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے' تاکہ وہ شیطانی وساوس سے محفوظ رہ کر اللہ رحمان کی رضا مندی سے بہرہ مند ہو سکیں۔

ہم اہلِ ایمان اس بات کے شدید محتاج ہیں کہ کوئی ہمیں شیطانی تدابیر اور اس کے ابلیسی حیلوں (چالوں) سے آگاہ کرے' تاکہ ہم اللہ کے غضب سے بچ کر نجات سے ہم کنار ہو جائیں۔ اس مقصد کے لیے یہ کتاب پیشِ خدمت ہے۔

ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دنیا اور آخرت میں کلمۂ توحید پر ثابت قدم رکھے۔ آمین!

عبداللطیف عاشور

تعارف امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

نام، نسب، خاندان، لقب اور کنیت

آپ کا پورا نسب نامہ یوں ہے: عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن حمادی بن احمد بن محمد بن جعفر الجوزی۔

آپ کا لقب ''جمال الدین'' اور کنیت ''ابو الفرج'' ہے۔ آپ کا نسب خلیفۂ راشد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ بصرہ میں آپ کا محلّہ ''محلۃ الجوزی'' کہلاتا تھا، اس کی نسبت سے آپ ''جوزی'' کہلائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے ایک جد امجد ''جعفر الجوزی'' تھے۔ ان کی نسبت سے آپ ''جوزی'' مشہور ہوئے۔ اس نسبت کے متعلق کچھ مزید اقوال بھی ملتے ہیں۔

ولادت

آپ کی ولادت بغداد کے ''درب حبیب'' میں تقریباً ۵۱۰ھ کو ہوئی۔ آپ کے سن ولادت کے بارے میں ۵۰۸ھ سے ۵۱۲ھ تک کے متعدد اقوال ملتے ہیں۔

تربیت

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ یتیمی کی حالت میں بڑے ہوئے، آپ کی عمر بمشکل تین برس تھی کہ آپ کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، آپ کی والدہ اور پھوپھی نے آپ کی کفالت کی۔ آپ کی پھوپھی نے آپ کا ہاتھ تھاما اور آپ کے بچپن ہی سے آپ کا خیال رکھا۔

آپ کچھ بڑے اور جوان ہوئے تو وہ آپ کو ۵۱۶ھ میں آپ کے ماموں ابو الفضل

محمد بن ناصر بغدادی المتوفی ۵۵۰ھ کی مسجد میں لے گئیں۔ وہ ایک مشہور محدث اور لغت و فقہ کے بہت بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے آپ کا خصوصی خیال رکھا' وہ آپ کے اولین معلم تھے۔

آپ نے اس مرحلہ میں قرآن کریم حفظ کیا اور حدیث شریف بالخصوص مسند امام احمد بن حنبل' جامع ترمذی' صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا سماع کیا' ادب اور لغت کی تعلیم حاصل کی اور وعظ و ارشاد کی مہارت پائی اور خطیب کی تاریخ بغداد کا سماع کیا۔

آپ کی علم سے محبت اور اس کا شغف

ابن جوزی رحمہ اللہ نے بہت سے فنون میں مہارت حاصل کی' آپ بہترین واعظ تھے' اس بارے میں آپ نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف کیں' آپ کو تاریخ اور سیرت سے بھی دلچسپی تھی' آپ ایک تجربہ کار اور ماہر مؤرخ بھی تھے۔

نیز آپ نے تفسیر اور علوم حدیث کے دروازوں پر بھی دستک دی۔ آپ کے متعدد علمی القاب میں حافظ اور مؤرخ کے القاب بھی ہیں۔ آپ کی بکثرت تصانیف اور مؤلفات آپ کی عبقریت اور علمی تفوق کی بہترین گواہ ہیں۔ باوجود اس بات کے کہ ابن الجوزی نے تجارت پیشہ خاندان میں آنکھ کھولی' انھیں علم کا شغف تھا' ان دنوں بغداد کی بھرپور علمی فضا نے اس کی مدد کی۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ اپنے علمی شغف کے متعلق کہتے ہیں:

> ''میں اپنے بارے میں بیان کرتا ہوں کہ مجھے بچپن ہی سے علم کی محبت عطا ہوئی ہے اور میں اس میں مشغول رہا ہوں' مجھے علم کی کسی ایک شاخ یا فن سے نہیں بلکہ تمام ہی فنون سے محبت ہے' میں کسی بھی فن کے کچھ حصہ پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اسے مکمل طور پر سیکھنے کی سعی کرتا ہوں' زمانہ مختصر اور عمر بالکل تھوڑی ہے' اس کے بالمقابل علم کا شوق بہت زیادہ ہے کمزوری اور کم ہمتی انسان کو روکتی ہے اور بعض خواہشات نامکمل رہتی ہیں۔''

انہوں نے زیادہ وقت بغداد ہی میں گزارا' البتہ بسا اوقات تحصیل علم کے لیے انہوں نے بیرونی سفر بھی کیے' اس بارے میں ''صید الخاطر'' میں رقم طراز ہیں:

"میں بچپن میں خشک روٹیاں ہمراہ لے کر طلبِ حدیث کے لیے نکل جاتا' میں نہر عیش کے کنارے بیٹھ جاتا' روٹیاں اس قدر خشک ہوتیں کہ پانی کے بغیر ان کو کھانا ممکن نہ ہوتا' میں ایک لقمہ کھالیتا اور پھر پانی کا گھونٹ پی کر اسے نگلتا' میری بلند ہمتی تحصیلِ علم کی لذت سے آشنا رہتی۔"

نوعمری ہی میں ان کی علمی بلندی اور عالی ہمتی نے طلب علم میں ان کی خوب مدد کی اور آپ بیس سال کی عمر ہونے سے پہلے ہی ۵۲۷ھ سے وعظ و ارشاد کی محافل جمانے لگے۔ آپ نے اس قدر مسلسل تدریس کی' دعوت و ارشاد کی ذمہ داری نبھائی اور کتابیں تالیف کیں کہ آپ بغداد کے امام اور اولین درجہ کے واعظ قرار پائے۔

ان کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی انگلیوں سے دو ہزار مجلد کتابیں لکھیں' ایک لاکھ لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور ایک ہزار یہودی اور عیسائی آپ کے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔ ان باتوں میں کوئی مبالغہ نہیں۔

مؤلفات

ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے عظیم علمی ورثہ چھوڑا جو ان کی متعدد تالیفات اور تصانیف کی صورت میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض مطبوع اور بعض تا حال مخطوط ہیں۔

آپ کی بعض اہم مؤلفات کے نام درج ذیل ہیں:

① اخبار النساء۔
② اخبار الحمقیٰ والمغفلین۔
③ اخبار الظرفاء والمتماجنین۔
④ الاذکیاء۔
⑤ برالوالدین۔
⑥ تلبیس ابلیس۔
⑦ التبصرۃ والتذکرہ
⑧ صید الخاطر۔
⑨ الشفاء فی مواعظ الملوک والخلفاء۔
⑩ المدہش فی علوم القرآن والحدیث۔
⑪ الوفاء باحوال المصطفیٰ۔

مقدمہ از مؤلف

مصائب پر صبر اور دنیا کی حقیقت سے آشنائی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الذی اَحْسَنَ اِلٰی مَنْ وَهَبَ لَهُ اَحْسَنَ مَخْلُوْقَاتِهٖ وَ هُوَ الْعَقْلُ' وَ جَعَلَ التَجَارُبَ تَزِيْدُهُ حَسْنًا كَمَا يُحْسَنُ الْمَصْقُوْلُ بِالْصَقْلِ' وَ صَلَى اللّٰهُ عَلٰى مثقفه بِمَا صَدَرَ عَنْهُ مِنَ النَقْلِ' صَلَاةً تَعُمُّ مَعَهُ جَمِيْعَ الْأَنْبِيَاءِ وَ تَابِعِيْهِمْ عموم الماقلين خير المعقل' وَسَلَّمْ

اما بعد!......

میں نے دیکھا کہ لوگ کسی مصیبت کے آنے پر بہت زیادہ جزع فزع اور پریشانی کا اظہار کرتے ہیں' گویا کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ دنیا تو فانی چیزوں کا نام ہے' ہر صحت مند بیماری کی تاک میں ہے اور ہر بوڑھا موت سے دو چار ہونے والا ہے اور ہر موجود نے بالآخر معدوم ہونا ہی ہے۔

عَلٰی ذَامَضَی النَّاسُ اِجْتِمَاعٌ وَ فُرْقَةٌ
وَ مَيِتٌ وَ مَوْلُوْدٌ وَ قَالٍ وَ وَامِقِ

''لوگوں میں یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے کہ لوگ اکٹھے ہوتے ہیں' پھر ان میں جدائیاں بھی ہو جاتی ہیں......کوئی مر رہا ہے اور کوئی پیدا ہو رہا ہے۔''

اسی طرح کوئی دوسروں سے نفرت کر رہا ہے اور کوئی محبت' کسی بزرگ سے کتنی شان دار بات منقول ہے کہ:

''وہ کھانا کھا رہا تھا کہ کسی آنے والے نے آکر اسے اس کے بھائی کے انتقال

کی خبر سنائی' اس نے کہا: ''بیٹھ اور میرے ساتھ کھانا کھا۔ مجھے اس بات کا پہلے سے علم ہے' آنے والے نے کہا: مجھ سے پہلے تو آپ کے پاس کوئی نہیں آیا' پھر آپ کو کس نے یہ خبر دی' اس نے کہا: اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾

(آل عمران : ۳/ ۱۸۵۔ الأنبیاء : ۲۱/ ۳۵۔ العنکبوت : ۲۹/ ۵۷)

''کہ ہر جان دار موت سے دو چار ہونے والا ہے۔''

حلفاً کہتا ہوں کہ اصل پریشانی یا غم کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی بھی ناپسندیدہ کام پر پریشان یا غمگین ہونا فطری امر ہے' لیکن حد سے زیادہ پریشان اور اظہارِ غم درست نہیں مثلاً کسی قریبی عزیز کی وفات پر کپڑے پھاڑنا' پھٹے پرانے کپڑے پہننا اور منہ پر طمانچے مارنا یا تقدیر پر اعتراض کرنا وغیرہ' ایسا کرنے سے فوت شدہ آدمی تو واپس نہیں آ سکتا البتہ یہ اس آدمی کی کم ہمتی کی دلیل اور موجبِ عذاب ہے۔

کسی محبوب کی جدائی اور اس کا فراق بہت بڑا صدمہ ہوتا ہے اور کسی بیماری میں مبتلا ہو جانا بھی بہت بڑی مصیبت ہوتی ہے' بہر حال موت کا آنا یقینی اور برحق ہے۔ میں نے اس کتاب کو ایسے انداز سے مرتب کیا ہے کہ مصیبت زدہ اور پریشان حال کو عقلی اور نقلی طور پر استقامت اور ثابت قدمی پر آمادہ کرے۔

اس میں مندرجہ ذیل پانچ فصلیں ہیں:

فصل اول: عقل اور نقل کی فضیلت اور دونوں کی بات قبول کرنے کا وجوب ولزوم۔

فصل دوم: اس امر کا بیان کہ عقل اور نقل دونوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ دنیا آزمائشوں کا گھر ہے۔

فصل سوم: اپنے اہل اور محبوب کی جدائی پر پریشان ہونے والے کا ذکر۔

فصل چہارم: انسانوں کے ساتھ مخصوص مصیبتوں کا ذکر۔

فصل پنجم: ان لوگوں کا تذکرہ جو موت کے وقت ثابت قدم رہے اور انہوں نے جزع فزع نہ کی۔

فصل : ۱

عقل و نقل کی فضیلت اور اہمیت

یہ بات معلوم ہے کہ عقل ہی وہ آلہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پہچان' رسولوں کی تصدیق اور شرعی احکام کا التزام ثابت ہوتا ہے اور یہی عقل ہے جو انسان کو اچھائی اور بہتری کے حصول کی رغبت دلاتی اور برے کاموں کے ارتکاب سے روکتی ہے۔ جو شخص اپنی مصلحتوں اور تمام کاموں کے انجام پر نظر رکھتا ہے وہ دونوں جہانوں میں کامیاب رہتا ہے' عقل کی مثال اندھیرے میں روشنی کی مانند ہے' یہ بعض لوگوں کے پاس تھوڑی ہوتی ہے جیسا کہ بعض لوگ دن کو تو دیکھ سکتے ہیں مگر رات کو انھیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اور بعض لوگوں کے پاس زیادہ ہوتی ہے جیسے شعلے کی چمک۔ اور بعض لوگوں کے پاس شمع کی مانند ہوتی ہے اور کامل لوگوں کے پاس طلوع آفتاب کی مانند اور بعض لوگوں کے پاس یمامہ کی زرقا نامی عورت کی آنکھ جیسی عقل ہوتی ہے' جو تیں میل کی مسافت پر سے چیزوں کو دیکھ لیتی تھی۔

اس لیے علوم اور اعمال میں عقل والوں کے درجات و طبقات بھی مختلف ہیں۔ پس جس آدمی کو قدرت کی طرف سے عقل ملی ہے اسے چاہیے کہ اس سے اختلاف نہ کرے اور اس کے الٹ نہ چلے' یعنی خواہشات کی پیروی نہ کرے' جس نے اپنی خواہشات کی طرف جھکاؤ کیا' وہ خسارے میں رہا۔ ایسا کرنا کسی بھی طور مستحسن نہیں۔

نقل نے اللہ کے رسولوں کے معجزات کو دیکھا' ان کی تصدیق کی اور اس نے جان لیا کہ وہ جو کچھ پیش کر رہے ہیں' وہ اللہ سبحانہ کی طرف سے لائے ہیں' ان کی بات خطا سے مبرا اور غلطی سے محفوظ ہے۔ اس تفصیل سے عقل کی فضیلت اور نقل کا شرف واضح ہو گیا۔ لہٰذا دونوں کی بات ماننا ضروری ہے۔

فصل : ۲

یہ دنیا آزمائشوں کا گھر ہے

جو آدمی عقل اور نقل کی روشنی میں دنیا کا جائزہ لے تو اسے پتا چل جائے گا کہ یہ دنیا دارالآم یعنی مصیبتوں کا گھر ہے' یہاں کوئی بھی پریشانیوں اور مصائب سے محفوظ و مامون نہیں' درحقیقت یہاں کسی بھی چیز میں لذت یا راحت نہیں' کسی پریشانی سے راحت ہی لذت ہے۔ کھانے پینے ہی کو دیکھ لیں' اس میں کتنے نقصانات ہیں' بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن سے احتیاط کرنی چاہیے' کھانے کی کثرت اپھارے کا سبب بن جاتی ہے' بعض کھانے اسہال یا قبض کا سبب ہوتے ہیں' اسی طرح بعض کھانے نقصان دہ اثرات کو بڑھا دیتے ہیں' کھانوں میں لذت کی مثال ایک کدال کی طرح ہے' جو بظاہر مفید ہونے کے باوجود عمارتوں کو گرانے کے کام آتی ہے۔

اسی طرح عمل مباشرت کا نتیجہ بھی نقصان ہی ہے' اس کا کم سے کم نقصان یہ ہے کہ جسمانی قوتوں میں کمی آجاتی ہے' تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے' آپس کے معاملات میں سختی آجاتی ہے۔

اور جب کوئی پسندیدہ چیز دستیاب ہو جاتی ہے تو کچھ عرصہ تو اس کی لذت کا احساس رہتا ہے اور پھر جلد ہی اس کی لذت جاتی رہتی ہے اور اس کی کم از کم مصیبت یہ ہوتی ہے کہ اس کی جدائی دل کو زخمی کر کے اور جسم کو پگھلا کر رکھ دیتی ہے' دنیا میں نظر آنے والی تمام اشیاء سراب کی مانند ہیں جو بظاہر انتہائی خوبصورت مگر ان کا انجام ویرانی و مایوسی ہے اور اس دنیا کا اپنے چاہنے والوں کے پاس آجانا اس کے جانے کی دلیل ہے' جو شخص گہرے پانی میں داخل ہو وہ گیلا ہونے سے نہ ڈرے' جیسا کہ میدانِ جنگ میں جانے والے کو ہر وقت

اپنی جان کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔

جس آدمی کے ہاتھ میں سانپوں سے بھرا ٹوکرا ہو وہ ان کے ڈسنے کا انکار کیونکر کر سکتا ہے؟ اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ جس دھات کو کسی بھی شکل وصورت میں ڈھالا جائے اس سے نفع کی امید کی جاتی ہے۔ کسی سمجھ دار، ماہر شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

طُبِعَتْ عَلٰی کَدَرٍ وَ اَنْتَ تُرِیْدُھَا
صَفْوًا مِنَ الْاَقْذَارِ وَ الْاَکْدَارِ
وَ مُکَلِّفُ الْاَیَّامِ ضِدَّ طِبَاعِھَا
مُتَطَلِّبٌ فِی الْمَاءِ جَذْوَۃَ نَارِ
وَ اِذَا رَجَوتَ الْمُسْتَحِیلَ فَاِنَّمَا
تَبْنِی الرَّجَاءَ عَلٰی سَفِیْرٍ ھَارِ

”اس دنیا کی بنیاد ہی مصائب وآلام پر رکھی گئی ہے اور تو اسے جھاڑ جھنکار سے بالکل صاف دیکھنا چاہتا ہے اور زمانے سے اس کے مزاج کے خلاف امید رکھنے والے کی مثال یوں ہے جیسے کوئی پانی میں سے آگ کا شعلہ ڈھونڈ رہا ہو۔“

”اور جب تم کسی ناممکن چیز کی امید باندھ لو تو گویا آپ کسی کنوئیں کے گرتے ہوئے کنارے پر امید کی عمارت تعمیر کر رہے ہیں۔“

”اگر یہ دنیا آزمائشوں کا گھر نہ ہوتی تو یہاں لوگوں کو پے در پے بیماریوں اور پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور اللہ کے انبیاء اور نیک بندوں کے لیے دنیا میں جینا دوبھر نہ ہوتا۔“

مصیبتوں اور دکھوں نے ان کا پیچھا کیا اور انھیں دنیا میں راحت نصیب نہ ہوئی۔

- سیدنا آدم علیہ السلام ساری زندگی مشکلات کا شکار رہے۔
- سیدنا نوح علیہ السلام سالہا سال تک روتے اور گڑگڑاتے رہے۔
- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے اور بیٹے کو ذبح کرنے کے امتحان سے دو

چار ہونا پڑا۔

- سیدنا یعقوب علیہ السلام بیٹے کی جدائی کے غم میں اس قدر روئے کہ ان کی بینائی جاتی رہی۔
- سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر فرعون نے مصیبتوں کے پہاڑ توڑے اور انھیں اپنی قوم کی طرف سے ایذاؤں کا سامان کرنا پڑا۔
- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے مجبور ہو کر صحراء میں ڈیرے ڈالے۔
- سیدنا محمد ﷺ کو زندگی بھر فقر و فاقہ' بیوی پر تہمت اور اپنے مخلصین و محبین کے قتل کے صدمے سہنے پڑے۔

اگر یہ دنیا لذت کے لیے پیدا کی گئی ہوتی تو کوئی مومن اپنے حصہ کی لذت سے محروم نہ رہتا' اونٹ اپنے جسم سے کئی گنا زیادہ کھا جاتا ہے اور چڑیا اپنی جسامت سے کئی گنا زیادہ سفر کر جاتی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْکَافِرِ))

''یہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت کی مانند ہے۔''[1]

❀❀❀❀

---

[1] احمد' مسلم' ترمذی' ابن ماجه

فصل : ۳

اپنے اہل اور محبوب کی جدائی پر پریشان ہونے والے

اَلْمَرْءُ يُصَابُ مَصَائِبَ مَا تَنْقَضِي
حَتّٰی تَوَارٰی جِسْمُهٗ فِيْ رَمْسِهٖ
فَمُؤَجَّلٌ يَلْقَى الرَّدٰی فِيْ غَيْرِهٖ
وَ مُعَجَّلٌ يَلْقَى الرَّدٰی فِيْ نَفْسِهٖ

''انسان کبھی نہ ختم ہونے والے مصائب کا شکار رہتا ہے تا آنکہ اس کا جسم قبر میں جا چھپتا ہے' جسے عمر دراز ملے وہ دوسروں کی جدائی کے صدمے سہتا ہے اور جسے جلد موت آ جائے وہ خود ہلاک ہو جاتا ہے۔''

محبوب کی جدائی کا علاج

کسی محبوب کی جدائی کا علاج آٹھ اشیاء سے ممکن ہے:

① انسان یہ یقین رکھے کہ اللہ کو یہی منظور تھا اور یہ سب کچھ پہلے سے لکھا جا چکا تھا' جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ (الحدید: ۵۷/ ۲۲)

''زمین پر یا تمھاری جانوں پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ پیدا کیے جانے سے پیشتر ہی ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتَاكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (الحدید: ۵۷/ ۲۳)

''تا کہ تم جس مفاد سے محروم رہ گئے اس پر غم نہ کھاؤ اور غرور نہ کرو اس پر جو اس نے تم کو دیا ہے' اللہ ہر غرور اور تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ مصائب و آلام اللہ تعالیٰ سے مقدر ہیں' یہ از خود یا اتفاقیہ نہیں آتے' جیسا کہ دہریہ لوگ کہتے ہیں کہ ان امور کی کچھ حقیقت نہیں' حالانکہ یہ تو اس ذات کے حکم سے آتے ہیں' جس کے حکم سے دنیا کے تمام امور جاری و ساری ہیں' چونکہ یہ ایک حکیم ذات کے حکم سے آتے ہیں' اس لیے یہ بے سبب نہیں' یہ یا تو انسان کو اس کی بد مستی سے تنبیہ کرنے کے لیے یا اسے اجر و ثواب دینے کے لیے یا کسی جرم کی سزا کے طور پر آتے ہیں۔

انسان اگر ان باتوں کا یقین رکھے تو مصائب و آلام برداشت کرنا اس کے لیے سہل ہو جاتا ہے۔

② انسان یہ بھی یقین رکھے کہ یہ دنیا امتحانات' آزمائشوں اور مصائب کا گھر ہے' ان سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

وَمَا اسْتَغْرَبَتْ عَيْنِي فِرَاقًا رَأَيْتُهُ
وَلَا أَعْلَمَتْنِي غَيْرَ مَا الْقَلْبُ عَالِمُهُ

''میں نے جس کی جدائی کو ناممکن سمجھا' اسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔
......اس نے مجھے کوئی نئی چیز نہیں دکھلائی بلکہ میرا دل تو اسے پہلے سے جانتا تھا۔''

③ انسان کو یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ کسی کی جدائی تو مصیبت ہے ہی مگر اس پر بے صبری اور جزع فزع کرنا ایک دوسری مصیبت ہے۔

④ انسان جدا ہونے والے کی جدائی پر غمگین رہنے اور بے صبری کا مظاہرہ کرنے کی

بجائے باقی رہنے والی چیزوں کی قدر کرے' جیسے کہ کسی کے دو بیٹوں میں سے ایک فوت ہو جائے۔

⑤ ایسی صورت میں انسان اپنے آپ سے قطع نظر دوسرے لوگوں کی طرف نظر دوڑائے جو اسی قسم کی پریشانی میں مبتلا ہو چکے ہیں' اس طرح اسے ایک گونہ سکون نصیب ہو گا' سکون اور اطمینان اللہ کی طرف سے عظیم راحت ہے۔ خنساء نے کہا تھا:

وَ لَو لاَ کَثرَۃُ البَاکِینَ حَولِی
عَلٰی اِخوَانِھِم لَقَتَلتُ نَفسِی
وَ مَا یَبکُونَ مِثلَ اَخِی وَ لٰکِنَ
اُعَزِّی النَّفسَ عَنہُ بِالتَّأَسِی

''اگر میرے اردگرد اپنے بھائیوں کی جدائی پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے بھائی کی جدائی کے غم میں اپنے آپ کو قتل کر ڈالتی...... ''ان کے بھائی میرے بھائی جیسے نہیں' میرا بھائی تو ان سے کہیں بڑھ کر تھا' تاہم میں انھیں دیکھ کر اپنے آپ کو تسلی دیتی ہوں۔''

⑥ انسان دوسرے ایسے لوگوں کی طرف دیکھے جو اس سے بھی زیادہ مصیبت میں مبتلا ہیں' اس طرح اس کی پریشانی کا غم ہلکا ہو جائے گا۔

⑦ انسان کسی کی جدائی پر یہ امید بھی رکھے کہ اللہ مجھے بہترین نعم البدل عطا فرما دے گا۔ لقمان حکیم سے کہا گیا کہ آپ کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے' تو کہنے لگے: ''پھر کیا ہوا؟ اب کوئی اور آ جائے گی۔''

⑧ انسان صبر کی مشقت کو برداشت کر کے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھے' وہ دیکھے کہ صبر کی کتنی فضیلتیں ہیں؟ صبر کرنے والوں کو کس قدر اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے؟ اور صبر کرنے والے لوگ مصائب پر کس طرح صبر کرتے ہیں؟ اور یہ یقین رکھے کہ صبر کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا مقام پائے گا۔ اور یہی چیز انسان کا مطلوب ہے۔

صبر کے فضائل

صحیحین میں بروایت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((مَا اُعْطِیَ اَحَدٌ قَطُّ خَیْرًا وَ لَا اَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ))[1]

''کسی آدمی کو صبر سے افضل اور بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی۔''

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے' آپ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَ جَلَّ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا اِبْتَلَاهُمْ، فَمَنْ صَبَرَ فَلَهُ الصَّبْرُ وَ مَنْ جَزَعَ فَلَهُ الْجَزَعُ))[2]

''اللہ عزوجل جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو وہ انھیں آزماتا ہے' جس نے صبر کیا اس کے لیے صبر اور جس نے بے صبری اور جزع فزع کی اس کے لیے جزع فزع ہے۔''

اور صدمہ کے ابتدائی مراحل ہی میں صبر کرنا چاہیے۔

صحیحین میں بروایت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی))[3]

''حقیقی صبر صدمہ کے ابتدائی مراحل میں ہوتا ہے۔''

---

[1] حاکم' بالمعنیٰ

[2] مسند احمد بن حنبل

[3] صحیح مسلم۔ باب الصبر علی المصیبة عند الصدمة الاولیٰ و صحیح البخاری' باب زیارة القبر

انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس چیز سے محروم کر دیا' وہ اسی سے اجر و ثواب کی امید رکھے اور اسے یقین ہو کہ وہ اس کی بہترین جزا دے گا۔ اس تصور اور یقین سے صبر کرنا سہل ہو جاتا ہے۔

علاماتِ صبر

- کپڑے نہ پھاڑنا۔
- رخساروں پر طمانچے نہ مارنا۔
- اللہ پر اعتراض کرنے سے زبان کو کنٹرول میں رکھنا۔
- اللہ کے فیصلے پر ناراضی کا اظہار نہ کرنا اور ہر ایسے ناروا کام اور علامت سے بچنا جو اظہارِ غم کے لیے اختیار کی جاتی ہے' یہ سب صبر کی علامات ہیں۔

عقلمند کو جاننا چاہیے کہ مصائب کئی قسم کے ہوتے ہیں' وہ ان کے لیے صبر کی مہمانی تیار رکھے۔ حکماء نے کہا ہے کہ عقل مند آدمی مصیبت کے پہلے ہی دن ایسے کام کرتا ہے جنھیں ایک جاہل پانچ روز بعد کرتا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''اگر تم صبر کرو تو یہ تمھارے ایمان اور ثواب کا باعث ہے...... ورنہ بالآخر تمھیں صبر تو آ ہی جائے گا' جیسے جانوروں کو آ جاتا ہے۔''

اولاد کی وفات پر صبر کرنے والوں کے صبر کا ثواب

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا مِنكُنَّ اِمْرَأَةٌ يَمُوتُ' لَهَا ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ اِلاَّ كَانُوا لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ)) (احمد)

''تم میں سے جس عورت کے تین بیٹے فوت ہو جائیں وہ اس کے لیے جہنم کے آگے حجاب بن جائیں گے۔''

تو ایک عورت نے دریافت کیا' اگر دو فوت ہوئے ہوں تو؟......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو بھی۔''

فوت ہونے والے انسان کے ساتھ جس قدر قریبی تعلق ہوگا' صبر کرنے والے کو اس کا ثواب بھی اسی قدر ہوگا' لہٰذا صبر کرنے والے کو جنت کی امید رکھنی چاہیے۔

تقدیر پر راضی رہنا

اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا ہی انسان کی غایت اور مطلوب و مقصود ہونا چاہیے۔

سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

''اللہ عزوجل جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو وہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے فیصلہ پر راضی ہوں۔''

سیدنا ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

''جس آدمی کو اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنے کی توفیق نصیب ہو گئی وہ انتہائی بلند درجات پر فائز ہو گیا۔''

کسی صالح سے کہا گیا کہ:

''آپ کا بیٹا اللہ عزوجل کی راہ میں شہید ہو گیا ہے۔'' تو یہ سن کر وہ رو پڑے ......کہا گیا: ''وہ تو شہید ہوا ہے' آپ کیوں رونے لگے؟ کہا' میں اس لیے رویا ہوں کہ: ''جب اسے تلواروں کی ضربیں لگی ہوں گی تو وہ اللہ (کی رضا) پر کس حد تک راضی رہا ہوگا۔''

اگر کوئی کہے کہ صبر کی تو سمجھ آتی ہے مگر کسی ناپسندیدہ کام پر راضی ہونے کا کیا معنی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی طبیعت کا کسی ناپسندیدہ کام سے نفرت کرنا دل کی رضا کے منافی نہیں' ہم دلی طور پر اللہ کے فیصلوں پر راضی رہیں اگرچہ بظاہر پیش آمدہ صورت حال ہمیں ناپسند ہی ہو۔

صبر کرنے والوں کے واقعات

صبر کا ایک اعلیٰ نمونہ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بطن سے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا تھا' اس کا انتقال ہو گیا تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے گھر والوں سے کہا: ''تم میں سے کوئی ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹے کے انتقال کی خبر نہ پہنچائے۔ میں خود انھیں مناسب طریقے سے اطلاع دے دوں گی۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ شام کے وقت گھر آئے' تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا' انہوں نے اطمینان سے کھایا' پیا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا اس سے قبل اپنے خاوند کے ساتھ جو رویہ رکھتی تھیں اس روز انہوں نے اس سے بھی بہتر رویہ اختیار کیا اور انھیں بچے کی وفات کا علم نہ ہونے دیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے سیر ہو کر کھانا کھا لیا اور تقاضائے زوجیت سے فارغ ہو چکے ہیں تو عرض کیا: ''ابو طلحہ رضی اللہ عنہ! اگر کوئی قوم کسی کے پاس امانت رکھ جائے اور کسی وقت اپنی چیز کی واپسی کا مطالبہ کرے تو کیا امانت والوں کو اس کے روکنے اور واپس نہ کرنے کی اجازت ہے؟ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''نہیں!'' انھیں اس کا کوئی حق نہیں' جس کی چیز ہو اسے واپس کی جانی چاہیے۔ تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا:

''آپ بھی اپنے بیٹے پر صبر کریں۔'' (کیونکہ اللہ تعالیٰ کی امانت اس کے پاس سے جا چکی ہے)

مصیبت آنے پر صبر کرنے والوں کا ذکر

بہت سے لوگ اپنے محبوب عزیزوں کی وفات پر صبر کرنے میں ناکام رہتے ہیں'

بعض اپنے گریبان چاک کرنے لگتے ہیں' کوئی اپنے رخساروں پر دوہتڑ مارتا ہے اور کوئی کفریہ کلمات بولنے لگتا ہے' میں نے ایک عمر رسیدہ آدمی کو دیکھا' اس کی عمر اسی سال کے لگ بھگ تھی' وہ ہمیشہ با جماعت نمازیں ادا کیا کرتا تھا' اس کے نواسے کا انتقال ہو گیا۔ تو وہ کہنے لگا:

''کسی کو اللہ سے دعائیں کرنے کی ضرورت نہیں' وہ تو کسی کی دعا قبول نہیں کرتا۔''

نیز اس نے کہا:

''اللہ تو ہمارا دشمن ہے' مخالف ہے' ہمارے کسی بیٹے کو زندہ نہیں چھوڑتا۔''

میں نے جان لیا کہ اس کی نمازیں اور نیکیاں محض ایک عادت ہیں' یہ اللہ کی معرفت یا ایمان پر قائم نہیں' ایسے ہی لوگ ہیں جو ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور عبادت کی حقیقی چاشنی سے وہ محروم ہیں۔

انسان کی ذات کے ساتھ مختص مصائب

میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جب انہیں کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے تو کبھی وہ جزع فزع کرنے لگتے ہیں کبھی اللہ تعالیٰ کے شکوے کرتے ہیں' کبھی علاج معالجے میں مصروف ہو جاتے ہیں' یہاں تک کہ وہ بیماری شدت اختیار کر جاتی ہے۔ پھر بیماری کی شدت انہیں اصل کاموں مثلاً وصیت کرنے' نیکی کرنے' موت کی تیاری وغیرہ سے غافل کر دیتی ہے۔ انہوں نے کتنے ہی گناہ کیے ہوتے ہیں مگر وہ ان سے توبہ نہیں کرتے' ان کے پاس امانتیں ہوتی ہیں جنہیں وہ لوٹاتے نہیں۔ ان کے ذمے قرض اور زکوٰۃ ہوتی ہے' وہ ادا نہیں کرتے' انہوں نے کتنے ظلم کیے ہوتے ہیں' جن کے تدارک یا تلافی کی فکر نہیں کرتے' انہیں تو دنیا سے جدائی کا غم لاحق ہوتا ہے' اس کے سوا ان کے سامنے کوئی بات نہیں ہوتی۔ اور بعض لوگ تو اس حد تک تجاوز کر جاتے ہیں کہ اللہ کی نافرمانی اور ظلم و جور پر مشتمل وصیتیں کر جاتے ہیں۔ ان تمام کا بنیادی سبب ایمان کی کمزوری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا﴾

(النجم: ۵۳/ ۲۹)

''پس جو کوئی ہماری یاد سے رُوگردانی کرے اور صرف دنیوی زندگی کا خواہاں ہو' آپ بھی اس سے روگرداں رہیں۔ ان کا مبلغ علم یہی ہے۔''

عطاء شدہ مہلت کے گزرنے سے پہلے پہلے انسان کی ذمہ داری

سمجھ دار آدمی کو چاہیے کہ بیماریوں کے ہجوم سے پہلے پہلے صحت وتندرستی کے عالم میں موت کے لیے تیار رہے۔ بسا اوقات وقت کی قلت کے سبب نیکی کرنے اور کوتاہیوں کی تلافی اور وصیت کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ بروایت نافع' ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کسی مسلمان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہو تو اس وصیت کے لکھے بغیر اسے دو راتیں بھی گزارنے کا حق نہیں۔''[1]

اور اگر صحت کی حالت میں وہ وصیت نہیں کر سکا تو اسے کم از کم بیماری کے آغاز پر ہی وصیت کرنے میں جلدی کرنی چاہیے۔ نیز وصیت کرتے ہوئے اس بات کو ملحوظ رکھے کہ وصیت میں کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔

صحیحین میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک انسان ستر سال تک نیکی کے کام کرتا رہتا ہے' آخر میں جب وصیت کرتا ہے تو اپنی وصیت میں کسی پر ظلم اور زیادتی کر جاتا ہے یوں اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اور وہ اس کے سبب جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی آدمی ستر سال تک برے عمل کرتا رہتا ہے لیکن آخر میں وصیت کرتے ہوئے عدل وانصاف سے کام لیتا ہے تو اس کا خاتمہ نیک عمل پر ہوتا ہے وہ اس کی وجہ وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔[2]

---

[1] صحیح البخاری۔ کتاب الوصایا۔ صحیح مسلم۔ کتاب الوصیۃ

[2] ابن ماجہ' ابوداؤد' ترمذی

اسی طرح نبی ﷺ سے ایک اور حدیث مروی ہے' آپ نے فرمایا:

''جو شخص اپنے کسی وارث کو اس کے حصۂ وراثت سے محروم کرتا ہے' اللہ اسے جنت کے حق سے محروم کرے گا۔''[1]

بیماری کی فضیلت

مریض کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بیماری گناہوں کو مٹاتی ہے۔ بیماری جس قدر زیادہ ہو' اتنے ہی گناہ معاف ہوتے ہیں۔

نبی ﷺ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

''کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے یہاں تک کہ خواہ اسے کانٹا ہی لگے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔''[2]

❀❀❀

---

1. ابن ماجه
2. صحيح البخاري۔ كتاب المرضیٰ

بیماری کے وقت اپنا علاج یوں کریں!

ان چیزوں کا بیان جن کے ذریعے مرض کی شدت کے وقت مریض اپنا علاج خود کرے۔

جب مرض شدید ہو تو مریض سترہ چیزوں کے ذریعے اپنا علاج کرسکتا ہے۔ان میں سے آٹھ کا قبل ازیں باب سوم میں ذکر ہو چکا ہے' بقیہ مندرجہ ذیل ہیں:

① مریض کو علم ہونا چاہیے کہ اللہ کا ہر فیصلہ اس کے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''مومن پر تعجب ہے کہ اس کی ہر بات اس کے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ یہ سعادت اہل ایمان کے سوا کسی دوسرے کو میسر نہیں۔اگر اسے خوشی ملے تو اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے' یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے' یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔''[1]

② وہ یہ بھی ذہن میں رکھے کہ سخت آزمائش بھی اچھے اور نیک لوگوں پر آتی ہے۔

ابو سعید کے والد کا بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! سب سے سخت آزمائش کن لوگوں کی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا' انبیاء کہ' ان کے بعد صلحاء کی اور پھر اسی طرح تدریجاً' درجہ بدرجہ لوگوں کی۔

''انسان کی آزمائش اس کی دین داری کے مطابق ہوتی ہے۔اگر اس کا دین پختہ

---

[1] صیح مسلم۔ کتاب الزھد: باب المومن کلہ خیر

اور مضبوط ہوتو آزمائش زیادہ ہوتی ہے۔اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہوتو آزمائش کم تر ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی آزمائش مسلسل ہوتی رہتی ہے' تا آنکہ وہ زمین پر یوں چل رہا ہوتا ہے کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو مبتلائے بلا نہیں دیکھا۔

۳) انسان یہ بھی یاد رکھے کہ وہ اللہ کا بندہ اور اس کا مملوک ہے' اس کے اپنے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ایک تجربہ کار ماہر شاعر کا قول ہے:

صِرتُ لَهُ عَبدًا وَمَا لِلعَبدِ اَن يَّعتَرِضَا

''میں اس ...... اللہ...... کا مملوک ہو چکا ہوں' غلام کو کسی قسم کا اعتراض کرنے کا کچھ حق نہیں۔''

انسان اپنے آزمانے والی ذات کی عظمت اور عزت کو بھی پیشِ نظر رکھے اور یقین رکھے کہ اسے اپنے اوپر کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں اور وہ اپنے آپ کو سمجھائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خرید رکھا ہے' اگر وہ اس بیع پر راضی ہے تو اب اسے اپنے اوپر کچھ حق نہیں' خریدنے والا اس کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے۔

۴) وہ یہ یقین بھی رکھے کہ اس کے ساتھ جو کچھ پیش آرہا ہے' یہ سب اس کے مالک کی رضا اور ارادہ سے ہے' لہٰذا وہ اپنے مالک کی رضا پر راضی رہے۔

۵) اگر اس کی طبیعت بیماری کی وجہ سے بے قرار ہو تو یہ اس کو سمجھائے' کیا تو نہیں جانتی کہ یہ سب برداشت کیے بغیر کوئی چارہ نہیں' پھر بے قراری اور بے صبری کا کیا معنیٰ؟ ابوالحویرث کا بیان ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنے آپ سے فرماتے تھے: تو نے اب تک خوب عیش اڑائے ہیں۔

---

[1] ابن ماجہ' ابن ابی الدنیا' ترمذی

⑥ وہ اپنے کو یہ کہہ کر تسلی دلائے کہ یہ کیفیت عارضی ہے' کچھ دیر بعد ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ گویا کچھ بھی نہیں ہوا' وہ اپنی گزشتہ بیماریوں کو یاد کرے جو بالآخر زائل ہو گئیں اور اب ان کا کچھ بھی اثر باقی نہیں۔ اصل اعتبار انجام کا ہوتا ہے' جو شخص اپنے انجام کے بارے میں غور کرتا رہتا ہے' یہ تکالیف و مصائب اس کی نظر میں ہیچ ہوتی ہیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دنیا میں ایک انتہائی خوش حال (امیر' دولت مند) انسان جو آخرت میں جہنمی ہوگا' اسے قیامت کے دن لا کر جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا: پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی عیش و آرام بھی دیکھا؟ کیا تجھے کبھی اللہ کی کوئی نعمت میسر ہوئی؟ تو وہ کہے گا: اللہ کی قسم! اے رب کائنات! بالکل نہیں' میں نے تو کبھی بھی آرام نہیں پایا اور نہ مجھے کوئی نعمت ہی میسر آئی۔ اسی طرح ایک ایسے شخص کو پیش کیا جائے گا جس کی دنیاوی زندگی سب لوگوں سے بڑھ کر مصائب و آلام میں اور پریشانیوں میں گزری ہوگی' لیکن وہ آخرت میں جنتی ہوگا' اسے جنت میں ایک غوطہ دینے کے بعد کہا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی دکھ یا پریشانی دیکھی؟ کیا کبھی تجھ پر کوئی مصیبت آئی؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! اے رب! مجھے کبھی کوئی دکھ یا پریشانی نہیں آئی اور نہ میں نے کبھی کسی مصیبت کا سامنا کیا۔''[1]

⑦ وہ جنت میں جا کر ملنے والی نعمتوں کو اپنے تصور میں رکھے جو کبھی ختم نہ ہوں گی' اس لحظہ بلکہ دنیا کی تمام عمر کی' جنت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے؟ ہمارا ایمان ہونا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام آسمانوں' زمینوں اور ان میں

۱۔ صحیح مسلم۔ کتاب صفات المنافقین : باب صبغ انعم اهل الدنیا فی النار و صبغاشدهم بؤساً فی الجنة

موجود تمام مخلوقات کو رائی کے دانوں میں بدل دے۔ پھر وہ ایک پرندہ پیدا کر کے اسے حکم دے کہ ایک کروڑ سال بعد صرف ایک دانے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرے، تب بھی اس مدت کے ختم ہونے کی ایک حد کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ مگر اہل جنت کی زندگی کبھی بھی ختم نہ ہونے والی ہے۔

جو آدمی اس ابدی و سرمدی زندگی کو اپنے پیشِ نظر رکھ کر یہ ایمان رکھے کہ وہ ان شاء اللہ ایسی نعمتوں کو پانے والا ہے، جو ابدی ہیں، جب تک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وہ نعمتیں تب تک باقی رہیں گی اور اللہ تعالیٰ کی بقاء و حیات کبھی ختم ہونے والی نہیں، تو ان نعمتوں کا تصور کرتے ہی وہ خوشی سے پھولا نہیں سمائے اور ہر دکھ تکلیف کو بھول جائے، اس کا ایمان ہو کہ ان نعمتوں کے حصول کے لیے باب الموت سے گزرنا لازمی ہے، تو یہ تمام مصائب و آلام اس کی نظر میں ہیچ ہو کر رہ جائیں۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

"اللہ کی طرف سے اہل جنت کو پکار کر کہا جائے گا: اب تم ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہو گے، تم پر کبھی بھی موت نہ آئے گی، اب تم ہمیشہ ہمیشہ ان نعمتوں میں رہو گے...... اور تم کبھی بھی کسی قسم کی پریشانی سے دوچار نہ ہو گے۔"[1]

۸ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے دکھوں پر اس نے جو صبر کیا، اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تصور کر کے اپنے صبر کے عمل کو کم تر سمجھے اور یوں سمجھے گویا کہ ایک بہت بڑے بادشاہ کی خدمت میں انتہائی معمولی تحفہ پیش کیا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمھا و اھلھا

فصل : ۴

ہم مصائب کی موجوں کا سامنا کیسے کریں؟

انسان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ صبر اور برداشت کا مرحلہ عارضی ہے' کچھ عرصہ بعد دکھ کا احساس تک نہ رہے گا' اسے چاہیے کہ اپنے آپ کو حوصلہ دے اور اپنے آپ کو اطمینان دلائے کہ یہ صورت حال عارضی ہے۔

پھر وہ ان پریشانیوں کا ان ذکر کردہ صورتوں کے ذریعے سامنا کرے' جب انسان پانی کی موج میں خود ہی گھس جائے تو ملاح کی بے وفائی اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔

یہ بھی یاد رکھو کہ جو آدمی صحت کے دنوں میں اللہ عزوجل کے احکام کی پابندی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ مصیبت کے وقت اس کی یاوری فرمائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم اللہ کے حکموں کی پابندی کرو' وہ تمھاری حفاظت کرے گا' تم اس کے احکام کے پابند رہو' تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے' تم خوش حالی کے دنوں میں اس سے رابطہ رکھو' وہ تمھاری مصیبت اور دکھ کے وقت تمھارا خیال رکھے گا۔'' (ترمذی)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ سیدنا یونس علیہ السلام جب پریشانی میں مبتلا ہوئے تو وہ اس سے پہلے ہی اعمالِ صالحہ سرانجام دے چکے تھے' ان کی برکت سے انہوں نے اس پریشانی سے نجات پائی۔ جبکہ فرعون نے کوئی ایسا اچھا عمل نہ کیا تھا جو مصیبت کے وقت اس کے کام آتا' اس لیے غرقابی کے وقت جب اس نے ایمان لانے کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا...... کیا اب؟

ایک عابد و زاہد جن کا نام عبدالصمد تھا' انہوں نے مرتے وقت اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہا تھا...... ''میرے آقا...... میں اسی وقت کا منتظر تھا۔''

مخلوق کے سامنے خالق کا شکوہ یا شکایت کرنا انتہائی ذلت ہے

بزرگانِ دین مخلوقات کے سامنے اللہ کی شکایت کرنے کو از حد ناپسند سمجھتے تھے' اس میں اگرچہ بظاہر راحت ہوتی ہے مگر یہ انسان کی کمزوری اور ذلت کی دلیل ہے۔ جبکہ مصائب پر صبر کرنا اور مخلوق کے سامنے اللہ کا شکوہ نہ کرنا' انسان کے طاقتور اور معزز ہونے کی دلیل ہے۔ مخلوق کے سامنے اپنی پریشانی کا اظہار کرنا اور اللہ کا شکوہ کرنا اس لیے بھی مذموم ہے کہ یہ اس کے پاس اللہ کا ایک راز تھا' جسے اس نے فاش کر دیا' اس طرح دشمن خوش ہوتے اور دوست ترس کھانے لگتے ہیں۔

ایک ماہر' قابل شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

فَلِرَحْمَةِ الْمُتَوَجِّعِيْنَ مَضَاضَةٌ
فِیْ الْقَلْبِ مِثْلَ شَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ

''جس طرح میرے کسی دکھ یا پریشانی پر دشمن خوش ہو تو دل دکھتا ہے اسی طرح جب لوگ مجھ پر ترس کھاتے اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں' تب بھی مجھے سخت اذیت ہوتی ہے۔''

بزرگانِ دین کسی پریشانی کے موقعہ پر ٹھنڈی آہ بھرنے کو بھی ناپسند کرتے تھے کیونکہ یہ بھی ایک لحاظ سے اللہ کا شکوہ بنتا ہے' جب تک ایسی باتوں سے بچنا ممکن ہو تو انسان ان سے بچ کر رہے اور جب بیماری غالب آ جائے اور انسان آہ کرنے پر مجبور ہو تو امید ہے کہ اسے اللہ کے ہاں بے قصور سمجھا جائے گا۔ ان شاء اللہ

گمراہ کرنے کیلئے ابلیس کا مریض کے پاس آنا

بعض اوقات ابلیس مریض کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے پاس آ کر اسے دینی یا دنیوی طور پر ایذائیں دیتا ہے' اس کے نتیجے میں وہ بے قرار ہو کر کوئی ایسی بات کہہ بیٹھتا یا

کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ انسان گمراہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے عتاب وعقاب کا نشانہ بن جاتا ہے۔

ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بایں الفاظ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَ الْهَدَمِ وَ اَعُوْذُبِكَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِیَ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ)) (نسائی' حاکم)

''یا اللہ! میں پانی میں ڈوب کر' آگ میں جل کر یا کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ شیطان مجھے مرتے وقت آ کر گمراہ کرے۔''

وہ انسان پر مسلط ہو کر کبھی اسے اس کے عقیدہ کے بارے میں گمراہ کرتا ہے اور کبھی آڑے آ کر اسے توبہ نہیں کرنے دیتا اور کبھی اسے اللہ کی رحمت سے مایوس کر کے مایوسی کے اندھیروں میں مدہوش رکھتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھ پر موت کی ایسی سختیاں آئی ہیں کہ مضبوط پہاڑ بھی انھیں برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ تمھارا رب تم سے نرمی کا سلوک بھی کر سکتا تھا' اس قدر تعذیب کا کیا فائدہ!...... اس وقت تو اپنی پسندیدہ اشیاء کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ یہ بدن بوسیدہ ہو جائے گا' معلوم نہیں انجام کیسا ہو؟

وہ اس قسم کی باتیں سوچ سوچ کر ہلکان ہوتا رہتا ہے اور کبھی تقدیر کے شکوے شروع کر دیتا ہے' مومن کو علم ہونا چاہیے کہ جب میدان خوب گرم ہو چکا ہو تو یہی شیطان کے مقابلے کا اصل وقت ہوتا ہے۔ اسے مضبوطی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کے مقابلہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مومن اپنے شیطان کو اسی طرح تھکاتا اور بے بس کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی دورانِ سفر اپنے اونٹ کو تھکاتا ہے۔'' (احمد' حکیم ترمذی' ابن ابی الدنیا)

اللہ عزوجل ہمیں عذاب کیوں دیتا ہے؟......

ابلیس کا یہ مغالطہ کہ اللہ تعالیٰ جب مہربانی کرنے پر بھی قادر ہے تو وہ ہمیں عذاب کیوں دیتا ہے؟......اس کا جواب دو طرح سے ہے:

1 ایک یہ کہ یہ اعتراض اللہ تعالیٰ پر جاتا ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی توجیہات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں' عقلی طور پر لازم ہے کہ اللہ کے احکام پر سر تسلیم خم رکھا جائے۔ اس نے ہمارے ابدان کو مشقت والے اعمال کا حکم دے کر آزمایا اور ہماری عقلوں کو ایسے ایسے احکام دے کر پرکھا ہے' جو ہماری سمجھ سے بالا ہیں' مثلاً: جانوروں کو ذبح کرنا' زانی کو سنگسار کرنا وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ چونکہ ہمارا مالک ہے اور وہ ہم پر ہر قسم کے تصرف کا حق رکھتا ہے' تو انسان کو بھی اس کی عظمت ملحوظ رکھنی چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ اس کی حکمت کا یہی تقاضا ہے' اس طرح انسان اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر صدقِ دل سے راضی رہتا ہے' اس کے اوامر و احکام کو بخوشی تسلیم کرتا ہے' لہٰذا انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اپنی کمال حکمت کے پیشِ نظر جو بھی فیصلہ کرے' انسان اسے اپنے لیے بہتر سمجھے۔

عقل' ضروری علوم کی ایک قسم ہے' اس کا کام معلومات کا محض ادراک ہے' کسی چیز کے حسن و قبح کا فیصلہ کرنا عقل کا کام نہیں' یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کہ حواسِ خمسہ کا کام ماکولات و مشروبات کے محض ذائقے یا ان کے سرد و گرم ہونے کو معلوم کرنا ہے' ان کے فوائد یا نقصانات کا فیصلہ کرنا حواس کا کام نہیں۔ حواس پر یہ اعتراض کرنا کہ وہ اشیاء کے فوائد یا نقصانات سے کیوں واقف نہیں' یہ اعتراض انتہائی' قبیح' غلط اور نا معقول ہے' ایسا اعتراض وہی کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کی طرح سمجھتا ہو۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پیش خدمت ہے' کسی نے سنا کہ:

''اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

اب وہ اسی قسم کی رحمت کا متلاشی ہو جیسی وہ لوگوں میں پاتا ہے' تو وہ دیکھے گا کہ بسا

اوقات اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا اور غلبہ دے دیتا ہے یا چیرنے پھاڑنے جانوروں کو شکار پر حملہ آور ہونے کی طاقت دے دیتا ہے' وہ ایسے کاموں کو رحمت کے خلاف سمجھنے لگے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

پس جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے اعتراض سے مبرا ہے اسی طرح اس کے اوصاف بھی کسی قسم کے اعتراض سے مبرا ہیں' اس پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور اولیاء پر مصائب اور دکھ مسلط کرتا رہا...... اس کے باوجود ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی منفی تاثر نہ آیا۔ ان حضرات کے اعتقادات پختہ تھے اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کرے اس کے کسی فعل پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

مگر اس معترض کا اعتقاد متزلزل ہے اور معمولی معمولی باتیں اسے حرکت دیتی رہتی ہیں...... یہ ایک ایسا بنیادی اصول ہے کہ جس نے اس پر غور کر کے اسے اچھی طرح سمجھ لیا وہ ہر قسم کی آفت سے بچا رہا۔

موت کے متعلق تسلی کے سلسلہ میں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

قَدْ مَاتَ كُلُّ نَبِيٍّ وَمَاتَ كُلُّ نَبِيهِ
وَ مَاتَ كُلُّ لَبِيبٍ وَ عَالِمٍ وَ فَقِيهِ
لَا يُوحِشَنَّكَ طَرِيقٌ كُلُّ الْخَلَائِقِ فِيهِ

''ہر نبی اس دنیا سے رخصت ہوا اور ان کی اولادوں نے بھی اس دنیا سے رختِ سفر باندھا...... ہر عقل مند' عالم اور فقیہ بھی موت سے دو چار ہوا۔''

''اے انسان!...... تو اس راستے سے وحشت نہ کھا' سب لوگ اس راہ پر چلے جا رہے ہیں۔''

مرنے والے کو اس کا جنت یا جہنم میں ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے

جب مومن کو یہ یقین ہو کہ موت کے بعد بھی ایک زندگی ہے' تو موت کا مرحلہ اور اس کی شدت برداشت کرنا اس کے لیے سہل ہو جاتا ہے۔

نافع' ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کرتے ہیں' کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی مرتا ہے' وہ جنتی ہو تو جنت میں سے اور اگر جہنمی ہو تو جہنم سے صبح شام اسے اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: یہ ہے تیرا ٹھکانا' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز اٹھائے۔"[1]

مرنے والا زبان سے کون سے الفاظ ادا کرے؟

جب انسان کو موت آنے کا احساس ہو تو اسے چاہیے کہ: "لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" کے کلمات زبان سے دہرائے اور اگر فوت ہونے والا اس بات سے غافل ہو تو وہاں پر موجود کوئی آدمی اسے ان کلمات کی تلقین کرے' تاکہ مرتے وقت اس کی زبان سے آخری الفاظ: "لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" کے ادا ہوں۔

نبی ﷺ سے روایت ہے' آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اپنے فوت ہونے والوں کو "لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" پڑھنے کی تلقین کیا کرو۔"[2]

تلقین کا مفہوم یہ ہے کہ حاضرین نرم آواز کے ساتھ یہ کلمہ خود دہرائیں تاکہ انھیں سن کر فوت ہونے والا بھی یہ کلمات ادا کر لے' خیال رہے کہ ایسی حالت میں فوت ہونے والے سے یوں نہ کہا جائے کہ کلمہ پڑھو' مبادا کہ موت کی شدت و سختی کی بناء پر وہ کلمہ پڑھنے سے انکار کر دے۔

نیز نبی ﷺ کا ارشاد عالیشان ہے:

"جو آدمی اس حالت میں فوت ہوا کہ وہ جانتا ہو یعنی دل سے اقرار کرتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ جنت میں جائے گا۔" (مسلم)

---

1. صحیح بخاری۔ باب ماجاء فی عذاب القبر۔
صحیح مسلم۔ کتاب الجنة وصفة نعیم اھلھا
2. صحیح مسلم۔ کتاب الجنائز

مرتے وقت کی بدبختی اور انجام بد

بہت سے لوگ مرتے وقت بدبختی کا شکار ہو جاتے ہیں' بعض کو تو بیماری کے آغاز سے ہی بدبختی آن گھیرتی ہے' وہ اپنی سابقہ زندگی میں کیے ہوئے جرائم کی تلافی نہیں کرتے۔ بسا اوقات کچھ لوگ ایسے عالم میں ظالمانہ وصیت کر کے اپنی بدبختی اور گناہوں میں اضافہ کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ اچانک بدبختی میں جا پڑتے ہیں' موت کی شدت کے وقت کوئی تو کفریہ کلمات کہہ جاتا ہے' اور کوئی اللہ پر غصے اور ناراضی کا اظہار کرنے لگتا ہے۔

ہم ایسی بدبختی اور بدعملی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' انجامِ بد کا مفہوم یہی ہے کہ مرتے وقت انسان کے دل و زبان پر اللہ کے بارے میں شک یا انکار آ جائے اور اسی حالت میں اس کی روح نکل جائے۔ اللہ کی تقدیر پر اظہارِ ناراضی تو اس سے کہیں کم ہے۔

❀❀❀

فصل : ۵

موت کے وقت ثابت قدم رہنے والوں کا تذکرہ

ان لوگوں کی کئی اقسام ہیں:

- ......ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنھوں نے سمجھا کہ جزع فزع کا کوئی فائدہ نہیں' اس لیے انہوں نے صبر سے کام لیا۔
- ......بعض ایسے ہیں جنھوں نے چاہا کہ لوگوں میں ان کے صبر کا چرچا ہو اور ان کی مدح کی جائے' اس لیے انہوں نے صبر کیا۔
- ......بعض نے سوچا کہ ہم نے چوروں ڈاکوؤں کو دیکھا کہ انہوں نے پھانسی چڑھتے ہوئے کسی قسم کی آہ وزاری نہ کی' تو ہم کیوں کریں؟

''بابک حرمی'' ایک بہت بڑا مجرم تھا' جب اسے قتل کرنے کا وقت آیا تو اس کے بھائی نے اس سے کہا: تم نے زندگی میں ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیے کہ کوئی دوسرا آدمی ویسے کام نہ کر سکا...... اب تم کیا کرو گے؟ تو اس نے کہا: ''تم میرا صبر دیکھنا۔''

اور پھر جب اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو اس نے اپنے ہی خون سے اپنے چہرے کو رنگ لیا۔

اس سے کہا گیا: یہ تم نے کیا کیا؟ تو وہ بولا: ''مجھے اندیشہ ہے کہ میرا چہرہ زرد ہو گیا تو سمجھا جائے گا کہ یہ موت کے خوف سے ہوا ہے۔

- ......بعض لوگ محض اس لیے صبر اختیار کرتے ہیں کہ دشمن خوش نہ ہوں' جیسا کہ معاویہ موت کے وقت اٹھ بیٹھا اور اس نے کہا:

وَ تَجَلَّدِی لِلشَّامِتِیْنَ اُرِیْهِمُ
اَنِّی لِرَیْبِ الدَّهْرِ لاَ اَتَضَعْضَعُ
وَ اِذَا الْمَنِیَّةُ اَنْشَبَتْ اَظْفَارَهَا
اَلْفَیْتُ کُلَّ تَمِیْمَةٍ لاَ تَنْفَعُ

''اے میری رفیقہ حیات! تو میری موت پر خوش ہونے والوں کے سامنے ہمت نہ ہارنا' بلکہ ہمت دکھانا' میں ان پر واضح کر رہا ہوں کہ میں مصائبِ زمانہ کے سامنے کمزوری نہیں دکھا رہا۔''

''اور جب موت نے اپنے پنجے مجھ پر گاڑ دیے ہیں تو میں نے بھی وہ تمام تعویذات اتار پھینکے ہیں جو میرے لیے فائدہ مند نہیں۔''

○...... بعض لوگوں نے اجر وثواب کے لیے صبر کا دامن تھاما۔

○......بعض ایسے تھے جو دل سے موت کے خواہش مند تھے' پھر ان کی بھی کئی اقسام ہیں:

ان میں سے ایک تو فلاسفہ ہیں' جن کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد انسان اپنے اصل عنصر کی طرف لوٹتا ہے' اس لیے وہ موت کو پسند کرتے ہیں۔

اسی طرح باطنیہ فرقہ کا عقیدہ تھا کہ اگر انھیں ظلماً قتل کیا جائے گا تو وہ سیدھے جنت میں جائیں گے' اس لیے وہ قتل ہونے کو ترجیح دیتے اور موت سے نہیں ڈرتے تھے۔

○......ان میں سے بعض نے دنیوی فتنوں کی مخالفت کی اور مرنے کو اختیار کیا۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو آدمی دیکھے کہ موت کی بیع ہو رہی ہے تو وہ میرے لیے موت خرید لائے۔''

○......ایک عابدہ نے کہا:

''میں موت کو پسند کرتی ہوں' مبادا کہ مجھ سے کوئی ایسا جرم سرزد ہو جائے جو میری ہلاکت یا تباہی پر منتج ہو۔''

○......ان میں سے کچھ ایسے تھے جن سے کچھ خطائیں سرزد ہو گئیں تو انہوں نے ان کی

پاداش میں خود کو عقاب کا سزاوار سمجھا۔

جیسا کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی:

''یا اللہ! مجھ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو غلطی ہوئی ہے تو مجھ سے اس کا اتنا بدلہ لے لے تا آنکہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔''

نیز اسی طرح سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ اور غامدی خاتون رضی اللہ عنہا نے زنا کی پاداش میں خود کو برضاء ورغبت سنگساری کے لیے پیش کر دیا تھا۔

اور اسلاف میں سے کسی نے اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے روح! اب تو میرے جسم سے نکل جا' اللہ کی قسم! تیرا میرے جسم سے نکل جانا مجھے اس سے محبوب تر ہے کہ تو میرے جسم میں باقی رہے۔''

○ ......بعض نے اللہ عزوجل کی ملاقات اور زیارت کے شوق میں خوشی سے موت کو گلے لگایا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ غایت ومقصود موت ہی کے ذریعہ حاصل ہو گی۔

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''میں اپنے رب کی زیارت اور ملاقات کی خاطر مرنا چاہتا ہوں۔''

رعبہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا تھا: ''اللہ عزوجل کی ملاقات کے شوق میں میرے کتنے ہی دن اور راتیں بیت گئی ہیں۔''

ان کے بالمقابل بعض لوگوں نے مرتے وقت جزع فزع اور بے صبری و بے قراری کا اظہار کیا' اس کی اس بے صبری' بے چینی اور بے قراری کے بھی متعدد اسباب تھے۔

○ ......بعض کو تو اپنے گناہوں یا کوتاہیوں کے خوف کا غلبہ تھا' یا وہ ویسے ہی موت سے خواہ مخواہ ڈرتے رہے مگر جب موت کا وقت آیا تو ان کا یہ خوف حسنِ ظن یا رحمت کی امید میں بدل گیا۔

❀❀❀

موت کے وقت بے مثال و قابلِ رشک استقامت

موت کے وقت سیدنا آدم علیہ السلام کی ثابت قدمی

حسین نے غنی سے بیان کیا ہے' ان کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں ایک بزرگ کو وعظ کرتے سنا' میں نے لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ یہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو ملائکہ ان کے پاس آئے۔ سیدہ حواء نے ان ملائکہ کو پہچان لیا تو وہ سیدنا آدم علیہ السلام کے ساتھ چمٹ گئیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''ایک طرف ہٹ جاؤ...... میرے ساتھ جو کچھ پیش آیا' اس کا بنیادی سبب تو تم ہی تھیں' تم میرے اور میرے رب کے ملائکہ کے درمیان سے دور ہو جاؤ اور پھر ملائکہ نے ان کی روح قبض کر لی۔''

بوقتِ وفات سیدنا ادریس علیہ السلام کی استقامت

وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ موت کے فرشتے نے سیدنا ادریس علیہ السلام سے ان کی روح قبض کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے موت کو چکھا۔ بعد ازاں ان کی روح ان کے جسم میں لوٹا دی گئی اور پھر انھیں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

موت کے وقت خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی استقامت

کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے' ملک الموت سے کہا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو موت دیتے وقت ان کے ساتھ بہت زیادہ نرمی کا برتاؤ کرنا۔ چنانچہ فرشتہ ایک بہت ہی زیادہ عمر رسیدہ بزرگ

کی صورت میں آیا' جس کے جسم میں کوئی بھی قوت باقی دکھائی نہ دیتی تھی۔ اس نے آ کر آپ سے انگوروں کا مطالبہ کیا۔

ابراہیم علیہ السلام نے ایک برتن لے کر اس میں انگور چن کر اس کے سامنے رکھ دیے۔ وہ ان انگوروں کو منہ میں لے کر چبانے لگا۔ بظاہر تو وہ انگور کھا رہا تھا مگر کمزوری کی وجہ سے ان کا رس داڑھی اور سینہ پر بہا جا رہا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کو اس پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ عمر رسیدگی نے آپ کے جسم میں کوئی قوت باقی رہنے نہیں دی' آپ کی عمر کتنی ہو گئی؟ اس نے ابراہیم علیہ السلام کی عمر کا اندازہ کر کے کہا: میری اتنی عمر ہے' تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''میری عمر بھی اتنی ہی ہے' تو کیا میں بھی آپ کی طرح ہو جاؤں گا؟''

یا اللہ! تو مجھے اپنی طرف بلا لے' ابراہیم علیہ السلام مرنے کے لیے بخوشی تیار ہوئے اور ملک الموت نے اسی وقت ان کی روح قبض کر لی۔

مرتے وقت سیدنا ذبیح علیہ السلام کی ثابت قدمی

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو ابلیس ان کے سامنے آ کر کہنے لگا: تمھارا باپ تمھیں ذبح کرنا چاہتا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا۔ وہ کیوں؟

ابلیس نے کہا: ''اس کا خیال ہے کہ اس کے رب نے اسے اس کام کا حکم دیا ہے' تو اسماعیل علیہ السلام نے کمال عزم سے فرمایا: اسے اس کے رب نے جو حکم دیا ہے' اسے ضرور سر انجام دینا چاہیے۔ میں اس کے لیے دل و جان سے راضی ہوں۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو بتلایا کہ میں خواب میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں' تو اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:

''ابا جان! میری رسیاں کس کر باندھ لیں تاکہ میں حرکت نہ کروں' اور آپ اپنے کپڑوں کو مجھ سے ذرا ایک طرف کر لیں تاکہ میرے خون کے چھینٹے آپ کے لباس پر نہ جا پڑیں اور میری والدہ محترمہ اسے نہ دیکھ لے اور آپ مجھے چہرے

کے بل لٹائیں تاکہ میرے چہرے کو دیکھ کر آپ کی شفقتِ پدری جوش میں نہ آ جائے اور آپ کے دل میں کوئی ایسی رقت پیدا نہ ہو جائے جو میرے اور میرے اللہ کے حکم کے درمیان حائل ہو...... اور اس طرح آپ اللہ کے حکم کی تعمیل میں خیانت کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں...... اور آپ میرے حلق پر جلدی سے چھری چلائیں تاکہ میرے لیے مرنا آسان تر ہو۔''

سیدنا یوسف علیہ السلام کی استقامت

جب سیدنا یعقوب علیہ السلام مصر میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے ہاں آئے تو انہوں نے وہاں انیس سال بڑے آرام سے گزارے۔ ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ وہ بعد از وفات انھیں ملکِ شام لے جا کر ان کے والد سیدنا اسحاق علیہ السلام کے قریب دفن کریں' چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ دنیا دائمی نہیں' انھیں جنت کا شوق دامن گیر ہوا' تو انہوں نے موت کی دعا کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان سے پہلے کسی بھی نبی نے موت کی دعا نہیں کی' انہوں نے فرمایا:

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ (یوسف: ۱۲/ ۱۰۱)

''اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت دی اور خوابوں کی تعبیر کے علم سے مجھے نوازا' اے آسمانوں اور زمین کے خالق! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے' مجھے اپنی اطاعت کی حالت میں دنیا سے اٹھانا۔''

عقیل کہا کرتے تھے کہ اس دعا میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے موت کی تمنا نہیں کی' بلکہ یہ دعا کی ہے کہ انھیں موت آئے تو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کی حالت میں آئے۔

سیدنا داوٗد علیہ السلام کی استقامت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کے نبیؑ سیدنا داوٗد علیہ السلام بہت زیادہ غیرت مند تھے' وہ جب گھر سے باہر جاتے تو تمام دروازے اچھی طرح بند کر کے جاتے' ان کی واپسی تک کوئی بھی ان کے اہلِ خانہ کے پاس نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ ایک دن حسبِ معمول سارے دروازے بند کر کے باہر تشریف لے گئے' ان کی بیوی نے صحن میں جھانکا تو دیکھا کہ صحن کے وسط میں ایک آدمی کھڑا ہے' انہوں نے گھر میں موجود باقی لوگوں سے کہا: یہ شخص کدھر سے آ گیا؟ گھر تو مکمل طور پر ہر طرف سے بند ہے؟ اللہ کی قسم! اس کی خیر نہیں۔ اتنے میں داوٗد علیہ السلام تشریف لے آئے' وہ آدمی بدستور اسی طرح صحن کے وسط میں کھڑا تھا۔ سیدنا داوٗد علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا۔ میں وہ ہوں جو حکمرانوں سے نہیں ڈرتا اور نہ کوئی رکاوٹ اسے روک سکتی ہے۔ سیدنا داوٗد علیہ السلام نے فرمایا: ''اچھا تم ملک الموت ہو' اللہ کے حکم پر سرِ تسلیم خم ہے۔'' سیدنا داوٗد علیہ السلام ابھی وہیں کھڑے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی۔

آخری لمحات میں بے مثال ثابت قدمی کے دلکش مناظر

نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت ثابت قدمی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت دیں کہ میں بیماری کے دنوں میں آپ کی خدمت بجا لاؤں اور آپ کی خدمت میں حاضر رہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر! میں نے اپنی ازواج، بیٹیوں اور اہل خانہ کو بھی اپنے علاج معالجہ کی تکلیف نہیں دی۔ میری وفات کا صدمہ ان کے لیے بہت بڑا ہوگا، آپ کی اس پیشکش سے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب لکھ دیا گیا ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر سے اور میری باری کے دن اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے، میں آپ کے حق میں وہی دعائیں کرتی رہی جو دعائیں آپ کے لیے جبریل علیہ السلام کیا کرتے تھے۔

اس سے قبل بیماری کے دنوں میں آپ جو دعائیں کیا کرتے تھے، آپ نے اس بیماری میں وہ دعائیں نہیں کی تھیں۔ آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا:

"إِلَى الرَّفِيقِ الأَعْلَى"[1]

''میں اپنے بلند و بالا دوست کی طرف جا رہا ہوں۔''

ذوالقرنین کی وفات

لکھنے پڑھنے والے اور اہل علم نے بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین مشرق و مغرب کو سر (فتح) کرنے کے بعد ارضِ بابل میں پہنچا تو شدید بیمار ہوگیا۔ اسے اپنے مرنے کا اندیشہ ہوا تو اس نے اپنی والدہ ماجدہ کو لکھا:

---

1. صحیح بخاری

''امی جان! کیا آپ نے کسی بھی چیز کو باقی رہنے والا پایا؟ مجھے یقین ہے کہ میں اپنی اس جگہ سے کسی بہتر مقام پر ہی جاؤں گا۔''

ایک روایت میں ہے' اس نے اپنی والدہ کو لکھا کہ آپ کھانا تیار کر کے جس قدر لوگوں کو جمع کر سکتی ہیں' بلالیں' جو کوئی کسی مصیبت میں مبتلا ہو گا وہ آپ کا تیار کردہ کھانا نہ کھا سکے گا۔

ماں بیٹے کی تحریر کا مفہوم سمجھ گئی۔ اس نے کہا:

''تمھیں اب کون بتلائے کہ تم نے مجھے نصیحت کی' میں نے قبول کر لی' تم نے مجھے تسلی دی' میں نے صبر کیا' تم زندہ ہو یا فوت شدہ' دونوں حالتوں میں تم پر اللہ کی سلامتی ہو......لوگ جب بھی تجھ پر سختی یا ملامت کریں' میرے دل میں موجود تمھاری محبت جوش میں آ جاتی ہے' میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور ایسے چلی جاتی ہے گویا کہ ان پر نیند کرنا حرام ہے' جب مدتِ وصال پوری ہو چکی تو لذتِ حیات کو آخری سلام۔''

ایک راہب' وزیر اور بچے کی موت کا ایمان افروز منظر

گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ ایک جادوگر اس کا مددگار تھا' وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں' آپ میرے پاس کوئی نوجوان بھیج دیں تاکہ میں اسے جادو سکھلا دوں۔ بادشاہ نے ایک نوجوان لڑکا اس کے حوالے کر دیا' تاکہ وہ اسے جادو سکھا دے۔

اس لڑکے کے راستے میں ایک راہب رہتا تھا' یہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی باتیں سنتا' اس کی باتیں اسے بھلی معلوم ہوتیں' یہ لڑکا جادوگر کی طرف جاتے ہوئے راہب کے پاس سے گزرتا اور اس کے پاس کچھ دیر بیٹھ جاتا۔ وہ جب جادوگر کے پاس وقت مقرر کے بعد پہنچتا تو وہ اسے دیر سے آنے کی سزا دیتا۔

اس لڑکے نے اس بات کا ذکر راہب سے کر دیا۔ تو راہب نے اسے ایک تدبیر سمجھائی کہ جب تم جادوگر کے پاس جاؤ اور وہ تاخیر کے متعلق کچھ کہے تو کہہ دیا کرو کہ مجھے

گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر جاؤ تو کہہ دیا کرو کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔

یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ ایک دن وہ جا رہا تھا کہ ایک بہت بڑے جانور نے لوگوں کا راستہ بند کیا ہوا تھا۔ اس نے سوچا' میں آج جاننا چاہتا ہوں کہ جادوگر درست راہ پر ہے' یا راہب؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور دعا کی: ''یا اللہ! اگر جادوگر کی نسبت راہب کا طریقہ تجھے زیادہ محبوب ہے تو اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے' تا کہ لوگ ادھر ادھر آ جا سکیں۔ اس نے پتھر مارا۔ اس سے وہ جانور ہلاک ہو گیا اور لوگ اپنے اپنے کاموں کو جانے لگے۔ اس نے جا کر راہب کو سارا واقعہ سنایا تو راہب نے کہا' بیٹا! اب تو مجھ سے بڑھ گیا' میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرا مقام مجھ سے بہت بلند ہو گیا ہے۔ اب تم پر آزمائشیں آئیں گی۔ تم میرے متعلق کسی کو نہ بتلانا' وہ لڑکا مادرزاد اندھوں کو اور برص والوں کو درست کر دیتا اور لوگوں کی ہمہ قسم کی بیماریوں کا علاج اللہ کریم سے دعا کر کے کرتا۔

بادشاہ کا ایک مصاحب' وزیر جو نابینا ہو چکا تھا۔ اس نے بھی اس نوجوان کی شہرت سنی تو وہ بہت سے تحائف لیے اس کے پاس آیا اور کہا: اگر تم مجھے شفاء یاب کر دو تو یہ ساری دولت تمھاری ہو گی۔'' لڑکے نے کہا:

''میں تو کسی کو شفا نہیں دے سکتا...... شفاء تو اللہ عزوجل دیتا ہے' اگر آپ اللہ پر ایمان لے آئیں تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں وہ آپ کو شفایاب کر دے گا۔''

چنانچہ وہ وزیر ایمان لے آیا اور اللہ نے اسے شفاء یاب کر دیا۔ وہ بادشاہ کے دربار میں حسبِ سابق جا کر بیٹھا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا: تمھاری بینائی کس نے ٹھیک کر دی؟ وزیر نے جواب دیا: ''میرے رب نے۔'' بادشاہ نے پوچھا' کیا تمھارا میرے سوا کوئی دوسرا رب ہے؟

وزیر نے کہا: ''میرا اور تمھارا رب تو صرف اللہ ہے۔''

بادشاہ نے اسے گرفتار کرا دیا اور اسے سخت تکالیف دیتا رہا' حتیٰ کہ اس نے لڑکے کے متعلق بتا دیا' اس لڑکے کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو بادشاہ نے اس سے کہا: بیٹا! تم بڑے ماہر جادوگر بن چکے ہو' مادرزاد اندھوں کو اور کوڑھ کے مریضوں کو ٹھیک کر دیتے ہو اور

تم تو فلاں فلاں کام بھی کرنے لگے ہو' تو لڑکے نے کہا:

''میں تو کسی کو ٹھیک نہیں کر سکتا اور نہ شفاء دے سکتا ہوں' شفاء دینے والا تو صرف اللہ عزوجل ہے۔''

بادشاہ نے اسے بھی گرفتار کرا دیا اور اسے سخت سزائیں دیتا رہا' حتیٰ کہ اس نے راہب کے متعلق بتا دیا۔

راہب کو لا کر بادشاہ کے حضور پیش کر کے اس سے کہا گیا کہ تم اپنا دین چھوڑ دو تو اس نے اس سے انکار کیا' تو بادشاہ نے ایک آرا منگوایا اور اس کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کرا دیے۔

پھر وزیر کو لایا گیا اور اس سے بھی کہا گیا کہ اپنا دین چھوڑ دے۔ اس نے بھی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تو بادشاہ نے اس کے سر پر آرا رکھ کر اس کے بھی دو ٹکڑے کر دیے' پھر لڑکے کو بلا کر اس سے کہا گیا کہ اپنا دین چھوڑ دو۔ اس نے بھی بادشاہ کی بات ماننے اور اپنا دین چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ تب بادشاہ نے اسے اپنے کچھ اہل کاروں کے حوالے کرتے ہوئے کہا: اسے فلاں پہاڑ کے اوپر لے جاؤ اور اس کی بلند ترین چوٹی پر جا کر یہ اگر اپنے دین سے باز آ جائے تو بہتر ورنہ اسے اوپر سے نیچے دھکا دے دینا۔ وہ اسے لے کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔ جب اسے نیچے دھکا دینے لگے.....تو اس نے دعا کی: ''یا اللہ! تو جیسے چاہے مجھے ان کے شر سے بچا۔'' اس کے دعا کرتے ہی پہاڑ لرز نے لگا اور وہ سب نیچے لڑھک گئے اور لڑکا اکیلا وہاں کھڑا رہ گیا۔ پھر یہ لڑکا چلتا چلتا بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: تمھارے باقی ساتھی (یعنی میرے سپاہی) کہاں ہیں' ان کا کیا بنا؟

اس نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے ان کے شر سے بچا لیا ہے۔

بادشاہ نے دوبارہ اسے اپنے مزید کچھ اہلکاروں کے حوالے کیا کہ تم اسے لے جاؤ ایک کشتی میں سوار کر کے سمندر کے وسط میں جا کر اگر یہ اپنے دین سے باز آ جائے تو بہتر ورنہ اسے سمندر میں پھینک دینا۔ وہ اسے لے گئے جب وہ اسے سمندر میں پھینکنے لگے تو

اس نے دعا کی: ''یا اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے ان کے شر سے بچا لے۔'' اس کے دعا کرتے ہی کشتی الٹ گئی' وہ سب غرق ہو گئے اور یہ دوبارہ چلتا ہوا بادشاہ کے پاس آ گیا۔

بادشاہ نے اس سے پوچھا: ''تمھارے ساتھی کہاں ہیں؟ ان کا کیا بنا؟ اس نے جواب دیا کہ: ''اللہ نے مجھے ان کے شر سے بچا لیا ہے۔''

اور ساتھ ہی اس بادشاہ سے کہا: تم جو چاہو کر لو' تم مجھے قتل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم وہ کام نہ کرو جو میں تم سے کہوں۔ بادشاہ نے پوچھا: وہ کیا؟ لڑکے نے کہا: ''تم لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کرو اور مجھے ایک لکڑی پر باندھ دو' پھر میرے ترکش سے ایک تیر لے کر کمان پر چڑھاؤ اور پھر یوں کہو کہ:

''اللہ کے نام سے یہ تیر چلاتا ہوں جو اس لڑکے کا رب ہے۔''

تم اس طرح تیر چلاؤ گے تو مجھے قتل کر سکو گے۔ چنانچہ بادشاہ نے لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کیا' لڑکے کو ایک لکڑی پر بندھوا دیا۔ پھر اسی کے ترکش سے ایک تیر لے کر کمان پر چڑھایا اور اس طرح کہا کہ ''میں اللہ کے نام سے یہ تیر چلاتا ہوں جو اس لڑکے کا رب ہے۔''

پھر اس نے تیر چلا دیا تو وہ لڑکے کی کن پٹی پر جا کر لگا' لڑکے نے تیر لگنے کی جگہ پر ہاتھ رکھا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ یہ دیکھ کر سب لوگ پکار اٹھے:

''ہم تو اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے...... ہم تو اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔''

پولیس والوں نے جا کر بادشاہ سے کہا: ''آپ جس بات سے ڈرتے تھے' وہی ہو کر رہی' اب تو سب لوگ ایمان لے آئے ہیں' اس نے تمام راستوں کے ناکوں پر خندقیں کھودنے کا حکم دیا' چنانچہ خندقیں کھود کر ان میں آگ جلا دی گئی' اب بادشاہ نے حکم صادر کیا:

''جو لوگ اپنا دین نہ چھوڑیں انھیں ان آگ بھری خندقوں میں دھکیل دو' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ ایک عورت آئی' اس کے پاس ایک شیر خوار بچہ تھا' وہ آگ میں کودنے سے ذرا ہچکچائی تو اللہ کی قدرت سے اس شیر خوار بچے نے بول کر ماں سے کہا:

''امی جان! اس تکلیف پر صبر کرو' بے شک تم حق پر ہو...... (ڈگمگاؤ مت اور اس آگ کے دریا میں بے خطر کود جاؤ۔''[1]

ایک قدیم بادشاہ کا ذکر

اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنی اولاد کو بلا کر ان سے کہا:

''اب میرا آخری وقت آ چکا ہے' جس سے فرار ممکن نہیں اور ہر زندہ کے ساتھ یہ معاملہ ضرور پیش آنے والا ہے کہ وہ ایک دن دار الفناء سے دار البقاء کی طرف سدھارے گا...... مجھے اس کا کوئی خطرہ نہیں' میں ساری زندگی اسی موقعہ کا انتظار کرتا رہا اور اسی کے لیے تیاری کرتا رہا ہوں۔''

حکماء کا قول ہے کہ جس کام کا وقوع ہونا یقینی ہو اس سے ڈرنا دانائی نہیں' اسی لیے انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جو آدمی اپنی اصل منزل پر چلا جائے اور اس کی اولاد زندہ ہو تو وہ مردہ نہیں' میں اب کبھی لوٹ کر تمھارے پاس نہیں آؤں گا اور تم یہ یاد رکھو کہ تم مجھ سے آن ملو گے' تم کنجوسی نہ کرنا' کنجوسی کرنے سے انسان دوسروں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔

دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے سے دوستوں کی دوستی میں اضافہ اور دشمنوں کی عداوت میں کمی آ جاتی ہے اور تم برے لوگوں کی صحبت سے بچنا۔ بڑوں کی اطاعت کرنا اور تم اپنی زبانوں کو بند رکھنا یعنی تھوڑی باتیں کرو تا کہ تمھارے راز عیاں نہ ہوں اور تم اچھی شہرت پر مال و دولت کو ترجیح نہ دینا' دولت تو ختم ہونے والی ہے جبکہ شہرت دائمی ہے۔''

❀❀❀❀

---

[1] صحیح مسلم' مسند احمد بن حنبل

کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی استقامت و ثابت قدمی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار پڑے، لوگ آپ کی عیادت کو آئے تو انہوں نے کہا: ''کیا ہم آپ کے لیے کسی طبیب کو نہ بلالیں جو آ کر آپ کا معائنہ کرے۔ آپ نے فرمایا: طبیب نے میرا معائنہ کرلیا ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا: پھر اس نے کیا بتایا؟ فرمایا اس نے کہا ہے:

((اِنِّی فَعَّالٌ لِّمَا اُرِیْدُ))

''میں جو چاہتا ہوں، وہ کر کے رہوں گا۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: وفات کے دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا، آج کونسا دن ہے؟ بتایا گیا، سوموار کا...... فرمایا: اگر آج رات انتقال ہوتو میری تدفین کے لیے کل کا انتظار نہ کرنا...... مجھے بھی وہ دن زیادہ پسند ہے جس دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے یہ شعر پڑھا:

لَعَمْرُكَ مَا یُغْنِی الثَّرَاءُ عَنِ الْغِنٰی
اِذَا حَشْتَرَجَتْ یَوْمًا وَ ضَاقَ بِهَا الصَّدْرُ

''آپ کی زندگی کی قسم! جس دن سکرات (موت کی بے ہوشیاں) شروع ہو جائیں اور سینہ تنگ ہونے لگے تو مال و دولت بھی انسان کو کچھ فائدہ نہیں دیتے۔''

یہ سن کر انھوں نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: ''یہ نہیں بلکہ تم یوں کہو:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ﴾ (ق: ۵۰/ ۱۹)

''اور موت کی بے ہوشی سچ مچ طاری ہوگئی ہے...... تو اس سے بچنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔''

میرے یہ دو کپڑے دیکھ رہے ہو' انھیں دھو کر مجھے انھی میں کفن دے دینا۔ نئے کپڑے کی مردہ کی نسبت زندہ کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سفرِ آخرت کا منظر

عمرو بن میمون کا بیان ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: جاؤ دیکھ کر آؤ' میرا قاتل کون ہے؟ وہ باہر چکر لگا کر آئے اور کہا: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام آپ کا قاتل ہے' تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' اللہ اسے ہلاک کرے' میں نے تو اسے صحیح بات کہی تھی' پھر فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ کسی مسلم کے ہاتھوں مجھے موت نہیں آئی۔ لوگ (بیمار پرسی کے لیے) آپ کے پاس آئے' ان میں ایک نوجوان شخص بھی تھا۔ اس کی چادر کافی طویل تھی اور گھٹنوں سے نیچے لٹکتے ہوئے زمین پر لگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''بھتیجے! اپنا کپڑا (ٹخنوں سے) اوپر کرلو...... اس طرح یہ خوب پاک وصاف رہے گا اور یہ تمھارے رب سے تقویٰ کی بھی علامت ہے۔''

پھر فرمایا: ''ابن عمر! ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جا کر ان سے کہو کہ عمر نے آپ کو سلام بھجوایا ہے۔'' امیر المومنین نہ کہنا...... اور کہنا کہ عمر آپ سے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ دفن کیے جانے کی اجازت کا طلبگار ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جا کر واپس آئے اور بتایا کہ انھوں نے آپ کو وہاں دفن کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الحمد للہ! میرے نزدیک یہ سب سے زیادہ اہم بات تھی۔ میں فوت ہو جاؤں تو ایک مرتبہ پھر تم مجھے اٹھا کر ان کے دروازے پر لے جا کر انھیں سلام

پیش کر کے کہنا کہ عمر آپ سے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ دفن کیے جانے کی اجازت چاہتا ہے۔ انہوں نے اگر اجازت دے دی تو بہتر ورنہ مجھے تدفین کے لیے عام مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔

ابونواس کی وفات کا منظر

محمد بن نافع کا بیان ہے کہ ابونواس میرا دوست تھا' اس کا انتقال ہو گیا تو میں نے اسے خواب میں دیکھا تو اس سے پوچھا: اللہ نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے بتلایا کہ میں نے چند شعر کہے تھے' ان کی وجہ سے اللہ نے میری مغفرت کر دی' وہ اشعار میرے تکیے کے نیچے لکھے پڑے ہیں' میں ان کے گھر گیا۔ وہاں ایک کاغذ پر یہ شعر لکھے ہوئے تھے:

يَا رَبِّ اِنْ عَظُمَتْ ذُنُوبِي كَثْرَةً
فَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ عَفْوَكَ اَعْظَمُ
اِنْ كَانَ لَا يَرْجُوكَ اِلاَّ مُحْسِنٌ
فَمَنِ الَّذِي يَدْعُو وَ يَرْجُو الْمُجْرِمُ
اَدْعُوكَ رَبِّ كَمَا اَمَرْتَ تَضَرُّعًا
فَاِذَا رَدَدْتَ يَدِيْ فَمَنْ ذَا يَرْحَمُ
مَالِي اِلَيْكَ وَسِيْلَةٌ اِلاَّ الرَّجَا
وَ جَمِيْلُ عَفْوِكَ ثُمَّ اَنِّي مُسْلِمُ

''میرے رب!...... اگرچہ میرے گناہ بہت زیادہ ہیں' تاہم میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تیری عفو اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔''

''اگر صرف نیک لوگ ہی تیری رحمت کی امید رکھیں تو مجرم اور گنہگار کسے پکاریں؟ اور کس سے امید رکھیں؟''

''میرے رب!...... میں تیرے حکم کے مطابق انتہائی عاجزی کے ساتھ تجھے پکار رہا ہوں' اگر تو ہی مجھے خالی لٹا دے تو کون ہے جو مجھ پر رحم کرے؟''

''تیری رحمت کی امید اور تیرے عفو کے سوا میرے پاس تیرے قرب کا اور کوئی ذریعہ نہیں یا پھر ایک بات اور ہے کہ میں بہر حال مسلم ہوں۔''

حسن فلاس رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت

محمد بن عباس کا بیان ہے کہ حسن فلاس کے لیے جب موت کی سختی ناقابلِ برداشت ہوئی تو انہوں نے پانی منگوا کر نوش کیا اور فرمایا: ''یقیناً اللہ نے مجھے وہ کچھ دے دیا ہے جس کا رشک کرنے والوں کو ضرور رشک کرنا چاہیے۔''

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی دنیا سے رحلت

ابو بکر عطار رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں ایک جماعت کے ہمراہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ان کے ہاں حاضر تھا' وہ بیٹھے نماز ادا کر رہے تھے' وہ سجدہ کرتے وقت اپنی ٹانگوں کو پھیلائے ہوئے تھے۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ ان کے پاؤں سے روح نکل گئی' پاؤں کو ہلانا جلانا ان کے لیے مشکل ہو گیا تو انہوں نے ٹانگیں پھیلا دیں' وہ متورم ہو چکی تھیں' ان کے کسی دوست نے یہ کیفیت دیکھی تو عرض کیا: ابو القاسم! یہ کیا؟ فرمایا: یہ اللہ کی نعمتیں ہیں..... اللہ اکبر! اللہ سب سے بڑا ہے۔

نماز سے فارغ ہوئے تو ابو محمد حریری نے ان سے کہا: ابو القاسم! آپ ذرا لیٹ جائیں تو فرمایا: ابو محمد! اس وقت ''اللہ اکبر'' کی صدائیں اللہ کے ہاں قبول کی جاتی ہیں' وہ اسی طرح بیٹھے رہے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

عمر بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا واقعہ

سہل کا بیان ہے کہ میں عمر بن عثمان مکی کے ہاں گیا' وہ مرض الموت میں تھے' میں نے ان سے عرض کیا: آپ کیسے ہیں؟ فرمایا: میں اپنے رازوں اور پوشیدہ باتوں کو اپنے سامنے کھڑے دیکھ رہا ہوں' ایسی کیفیت ہے جیسے کوئی جانا چاہتا ہو مگر وہ نہ تو ٹھہرنے کی ہمت پاتا ہے اور نہ جانے کا راستہ۔

احمد بن خضرویہ کی وفات

احمد بن خضرویہ فوت ہونے والے تھے کہ ان سے ایک بات دریافت کی گئی تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ کہنے لگے: بیٹا! میں پچانوے سال سے ایک دروازے کو کھٹکھٹا رہا ہوں۔ وہ دروازہ اب کھلنے والا ہے...... میں نہیں جانتا کہ وہ سعادت کی خبر دے گا یا شقاوت کی؟ اب میں جواب کیا دوں؟

ہمارے شیخ ابوبکر بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا واقعہ

انہوں نے حدیث کا سماع کیا' فقہ کا علم حاصل کیا۔ وہ تدریس کرتے اور وعظ فرمایا کرتے تھے۔ انتہائی مؤدب تھے۔ ان کی وفات کا وقت قریب آیا' تو ان کے ساتھیوں نے عرض کیا: آپ ہمیں کوئی وصیت کر دیں۔ تو فرمایا: ''میں تمھیں تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں

۱۔ اللہ عزوجل سے ڈرتے رہو......

۲۔ خلوت میں بھی اس کا تصور ذہن میں رکھو اور میری اس حالت سے سبق حاصل کرو......

۳۔ میں نے اکسٹھ سال زندگی گزاری ہے' مگر یوں لگتا ہے کہ میں نے دنیا دیکھی ہی نہیں۔''

پھر اپنے ایک ساتھی سے فرمایا: ''ذرا دیکھو تو میری پیشانی پر تمھیں پسینہ محسوس ہوتا ہے؟'' اس نے عرض کیا' جی ہاں! فرمایا' الحمدللہ...... یہ اہل ایمان کی علامت کا اشارہ ہے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ تھا' جس میں ہے کہ:

((اَلْمُؤْمِنُ یَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِیْنِ))[1]

''مومن پیشانی کے پسینہ کے ساتھ مرتا ہے۔''

پھر انہوں نے مرتے وقت ہاتھ پھیلا کر یہ شعر پڑھا:

---

[1] احمد' ترمذی' نسائی' حاکم

هَا قَدْ مَدَدتُّ يَدِيَ اِلَيْكَ فَرُدَّهَا
بِالْفَضْلِ لاَ لِبِسمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ

"اللہ! میں اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھا رہا ہوں' تو اسے اپنی رحمت کے ساتھ واپس کرنا ایسا نہ ہو کہ دشمن میری محرومی پر خوشی منائیں۔"

ہمارے شیخ عبدالوہاب النماہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

وہ بیمار تھے' میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا' ان کا جسم نحیف ہو چکا تھا' وہ مجسمۂ صبر بنے آرام سے لیٹے ہوئے تھے...... مجھ سے فرمانے لگے:

"اللہ سبحانہ کے فیصلوں پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

ابو الوقت رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت

وہ ایک نیک آدمی تھے' اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرتے تھے۔ ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ ان کی وفات کا وقت آیا تو میں نے انھیں اپنے جسم کے ساتھ لگا کر سہارا دیا' ان کے آخری الفاظ یہ تھے:

﴿يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ○ بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾

"کاش کہ میری قوم جان لے کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا...... اور مجھے عزت دار لوگوں میں شامل کر دیا ہے۔" (یٰسین: ۳۶/ ۲۶،۲۷)

ابو محمد خشاب رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت

میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا...... وہ مرض الموت میں مبتلا تھے' بڑے مطمئن اور حوصلے میں تھے' انہوں نے مجھ سے فرمایا:

"مجھے اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ سے حسنِ سلوک کی امید ہے۔"

❀❀❀

DARUL ILM
PUBLISHERS & DISTRIBUTORS
242, J.B.B. Marg, (Belasis Road),
Nagpada, Mumbai-8 (INDIA)
Tel,: (+91-22) 2308 8989, 2308 2231
fax :(+91-22) 2302 0482
E-mail : ilmpublication@yahoo.co.in

₹ 45/-